اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

فون نمبر دارالعلوم : ۴
جلد نمبر : ۱۵
شمارہ نمبر : ۷

فون نمبر رہائش : ۲
جمادی الاوّل/جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ
مارچ/اپریل - ۱۹۸۰ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارہ میں

بدلِ اشتراک پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند

چشمِ فلک نے اس تختیِ برِ اعظم (برِ صغیر) میں علم و معرفت اور دین و شریعت کی سطوت و شوکت کا ایسا روح پرور منظر کب دیکھا ہوگا۔؟ جو ٢٠ سے ٢٤ مارچ ١٩٨٠ء تک دیوبند کے صد سالہ اجتماع کی شکل میں دیکھا گیا۔ سالوں سے انتظار تھا، لمحات اور گھڑیاں شمار ہوتی رہیں، دن گنے جا رہے تھے جس دن کیلئے، وہ وقت آیا تو اپنے جلو میں اللہ کے نام پر اللہ کے دین کیلئے بسیطِ ارض کے ہر خطے سے لپکنے والوں سمٹنے والوں اور مر مٹنے والوں کا ایک ایسا سیلاب لیکر آیا کہ اس کے سامنے سالہا سال سے کی گئی تیاریوں منصوبوں اور وسیع انتظامات کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ اجلاس نے جشن اور جشن نے ایک ہنگامہ خیز میلے کی صورت اختیار کر لی، کتنے تھے جو ایک تہائی صدی سے اپنی اس مادرِ علمی کی دید و زیارت کے لئے تڑپتے رہے لیکن وہاں پہنچ کر اس قبلۂ علم کے در و دیوار کو بھی پوری طرح نہ دیکھ سکے اور بزبانِ حال یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

دارالعلوم کا اجلاس صد سالہ ایک گونہ دارالعلوم کے بعض اکابر کے ان اندازوں اور تخمینوں کا عالم ناسوتی میں ظہور اور بشاراتِ صادقہ کا نقطۂ آغاز تھا۔ دارالعلوم کے ایک خدا رسیدہ مجذوب بزرگ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ "یہ دارالعلوم چلتا رہے گا چلتا رہے گا، یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب ہو اور یہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے۔" دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے ایک بار یہ پیشنگوئی خود مجھے سنا کر فرمایا کہ "اس پیشنگوئی سے تو ہم بڑی امیدیں باندھے ہوئے ہیں۔" اسی طرح دارالعلوم کے کچھ اور بزرگوں کا کہنا تھا کہ برِ صغیر میں تجدیدِ دین کے سارے مساعی اور اعمال کی نسبتوں کا مرکز دارالعلوم ہے۔ اور برِ صغیر میں یہ دارالعلوم قطب الرحیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے چکی کے پاٹوں کے بیچ میں کلّی ہوتی ہے۔ اور اس کے ارد گرد پاٹ، گھومتے ہیں اسی طرح ختم ہونے والی صدی کے تمام دینی، ملی، تمدنی اور سیاسی معاملات بھی اس کے گرد گھومتے رہے۔ خداوند قدوس نے کچھ عجیب مقناطیسی قوتوں سے اسے نوازا۔ اگر برِ صغیر کا غیر جانبدار بے لوث مورخ ان مکاشفات اور بشارات کی روشنی میں گذشتہ صدی کی علمی دینی اور ملی و سیاسی تاریخ کا جائزہ لے تو یہ حقیقت دن کے اجالے کی طرح ثابت ہو جائے۔ برِ صغیر میں دیوبندی مکتب فکر کے فکر و دانش کا سرچشمہ حضرت امام

شاہ ولی اللہؒ کی ذات ہے جنہوں نے متعدد مقامات پر اپنے اس کشف کا اظہار ہے کہ ایک وقت تو اسلامیانِ ہند پر شدید آزمائش و ابتلاء کا آنے والا ہے کہ ان کی چولیں ہلاکر رکھ دی جائیں گی۔ اور ان کا شیرازہ ملی درہم برہم ہوکر رہ جائے گا۔ لیکن اسلام پھر بھی جاندار شکل میں باقی رہے گا۔ اور وہ وقت دوبارہ آئے گا کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کو سطوت و شوکت عزت اور سربلندی نصیب ہوگی اور وہ اپنی عظمتِ رفتہ دوبارہ بحال کرسکیں گے۔

ابتلاء و محن کا جو دور آیا سارے عالم نے دیکھ لیا۔ اور ایسا آیا کہ شاید تاریخِ اسلام میں اسکی مثال تلاشِ بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکے لیکن عزت اور سربلندی کے جو آثار ہویدا ہیں۔ اس کا مظہر اتم دارالعلوم دیوبند کا یہ فقید المثال اجتماع اور اس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کا جوش و ولولہ، گرویدگی اور وارفتگی ہے۔ الحمد للہ کہ نگہ کی بلندی، دلنوازیٔ گفتار اور پرسوزیٔ جان آج کے اسلامیانِ ہند کے نئے سفر کی متاعِ عزیز اور زادِ راہ ہے اور ان سب چیزوں کا رمز و شعار دارالعلوم کا یہ اجتماع ہے۔ شرکاء جلسہ کے تخمینے لاکھوں لاکھ ہر شخص نے اپنے اندازے سے لگائے ہیں۔ اور میرا محتاط جائزہ یہ ہے کہ ظلمتکدۂ ہند میں قافلۂ اسلام کے وارد ہونے اور محمد بن قاسمؒ کے نزولِ اجلال کے بعد اہل علم ارباب زہد و صفا اصحابِ فکر و دانش اور نام لیوایانِ اسلام کا اتنا بڑا اجتماع اس سرزمین نے یقیناً کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس اجتماع سے اسلامیانِ ہند کو خاص طور سے بڑا سہارا ملے گا۔ اور وہ اپنی تشخص و امتیازات کو اور بھی اعتماد، حوصلہ اور جرأت سے نہ صرف قائم بلکہ عیاں اور نمایاں کرسکیں گے۔ اجتماع کی یہی واحد "نفع عاجل" ہے جس نے ایک طرف دارالعلوم کی عظمتوں کو چار چاند لگاکر اس کے عالمگیر اثرات کا آئینہ اس کے سامنے رکھ دیا ہے۔ تو دوسری طرف اسلامیانِ ہند کو اجنبی اقوام و ملل کے بحرِ ظلمات میں اپنے وجود کی نئی دریافت بخش دی ہے۔ ومن عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اور اس کے ساتھ ہی اس اجلاس نے اکثریت کے گھمنڈ میں مبتلا غیر مسلم قوتِ حاکمہ کو بھی محوِ حیرت کرکے مسلمانوں کے بارہ میں عادلانہ اور محتاط رویہ اپنانے کا لمحۂ فکر مہیا کردیا ہے۔ اور جس کے نمایاں اثرات اجلاس میں شریک ہونے والے غیر مسلم بھارتی زعماء، وزیر اعظم اندرا گاندھی، اور ملک کے دیگر سیاسی لیڈروں جگجیون رام، راج نرائن، مسٹر بھوگنا وغیرہ کے "اثرات اور کیفیات سے محسوس کئے گئے جو لوگ اس اجتماع میں وہاں کی منتخب سربراہ مسز اندرا گاندھی کی شمولیت پر چین بجبین ہوئے اور نقطہ آفرینیاں کیں وہ اگر اس مہم میں غیر مخلص نہ بھی تھے مگر سیاسی بصیرت اور ملی مصالح اور تقاضوں کے ادراک میں عدیم البصیرت بہرحال تھے اور یہ کتنا ظلم ہے۔ کہ ہم یہاں آزادی کی فضاؤں میں جھوم جھوم کر ہر بار وہاں کے مسلمانوں کو اپنے پیمانوں سے ناپتے پھریں۔ اور ان کی مصلحتوں کو اپنے اغراض کے چشموں سے دیکھتے رہیں اور جب بھی ہمارے منافقانہ دلفریب مقاصد کیلئے وہ قربانی کے بکرے بن جاتے ہیں تو ہم ایک خندۂ استہزاء کے ساتھ انہیں طاقِ نسیان کے سپرد کردیتے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ایک

فاضل مدیر نے اپنے مشاہداتِ اجلاس میں گویا میرے دل کی بات لکھی ہے۔ کہ یہ پہلا موقع ہے کہ بھارت کے کسی سربراہ کو مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع اور عظمت اور شوکت کا براہِ راست مشاہدہ کرنا پڑا اور یہ کہ ہمارے بس میں ہوتا تو ہم عالمِ اسلام بالخصوص عالمِ عرب کے کونے کونے سے شریک ہونے والے زعماء اور علماء کو مسز اندرا گاندھی کے ارد گرد ایسا سمیٹ کر رکھ دیتے کہ وہ اپنے آپ کو ملتِ مسلمہ کی عظیم ہمہ گیر برادری میں محصور و مجبور سمجھ لیتی کہ ۱۵ کروڑ ہندی مسلمان جس کی پشت پر پوری ملت کی نمائندگی کرنے والی عالمی برادری کے یہ نمائندے کیا ایسی قوت بھی اقلیت کہلانے کی سزاوار ہے اور کیا ایسی قوت بھی مقہور و مجبور ٹھہرائی جا سکتی ہے۔

یہ دارالعلوم کی شانِ تجدیدی کا ایک کرشمہ ہے۔ اور ان شاء اللہ چودھویں صدی کے اختتام اور پندرھویں صدی کے آغاز میں اسلامیانِ عالم کا یہ اجتماع نئی صدی کے لئے دارالعلوم کے تجدیدی مستقبل کا غماز ہے۔ اور یہ سب کچھ ان مردانِ حق آگاہ کی جہدِ مسلسل، جہادِ پیہم اور شبانہ روز قربانیوں کا ظہور ہے جنہوں نے اس صدی کے آغاز میں علم و عمل کی حفاظت شریعت و طریقت کی بقاء کے لئے اس ملک میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں کیا۔

اجتماع پر بہت کچھ لکھا جائے گا اور لکھا جا رہا ہے۔ صدیوں اس کی یاد قائم رہے گی۔ مگر جو بات مشاہدہ کی ہوگی اس کا ادراک سننے اور پڑھنے والے کہاں کر سکیں گے۔ اور پھر کسی قلم میں تاب کہاں کہ علم و معرفت کے اس عظیم جشنِ بہاراں کی منظر کشی کر سکے ۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں !
بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اجتماع کے بعد احقر کو دہلی، آگرہ، علی گڑھ، امروہہ، سرہند شریف، لدھیانہ بھی جانے کا اتفاق ہوا اور دہلی جاتے ہوئے تو حضرتِ اقدس والد ماجد شیخ الحدیث مدظلہٗ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کی معیت میں نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، شاملی کی حاضری کا شرف بھی فضلِ خداوندی سے میسر ہوا۔ ان بلادِ مجدد و شرف اور امصارِ علم و فضل کے مشاہدات و تاثرات بھی رفتہ رفتہ الحق کے صفحات پر آتے رہیں گے۔ فوری طور پر ہم اجلاس کی اہم تقاریر اور قرار دادوں سے حاضرین کی فکری و روحانی تواضع پر اکتفاء کر رہے ہیں جو اجلاس کی اصل سوغات ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

خُطبۂ استقبالیہ
اجلاسِ صد سالہ
دار العلوم دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مدظلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند

۳، ۴، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء

یہ خطبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند نے اجلاس صد سالہ کے افتتاحی اجلاس میں ۳ جمادی الاولیٰ میں پڑھ کر سنایا۔ اس نشست میں وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی بھی موجود تھیں۔ "ادارہ"

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی وبعد۔

صدرِ محترم! حضرت گرامی، علمائے کرام، مہمانانِ عظام و معزز حاضرین!!

ہم اس ایمانی اور تاریخی اجتماع کے موقعہ پر جو برِّ صغیر کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی ــــــ بین الاقوامی تعلیم گاہ "جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند" میں بین الاوطانی انداز سے منعقد ہو رہا ہے جس میں تقریباً تمام اسلامی منطقوں کے فضلاء اور اربابِ دانش جمع ہیں، سب سے پہلے حق جل مجدہٗ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس چھوٹی سی بستی میں ایسی بڑی بڑی ہستیوں کو یکجا کر کے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات، ربطِ باہمی اور اسلامی اخوت و مودت کو تازہ بتازہ کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ ہم اس موقع پر اس غیر معمولی مسرّت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج یہ کبرائے ملّت ہم غربائے اُمّت کے کندھوں سے کندھا ملائے بیٹھے ہوئے نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ دلوں سے دل ملا کر اسلامی اخوت مساوات اور مودتِ باہمی کا عملی ثبوت پیش کر رہے ہیں، جو محض فضلِ خداوندی اور انعامِ ربّانی ہے:

لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم انہ عزیز حکیم: اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے فللہ الحمد۔

ہم بصمیمِ قلب دعاگو ہیں کہ اہلِ علم کی ہمت افزائی اور ملتِ اسلامیہ کی عزت افزائی کے لئے آپ حضرات اس سرزمینِ علم پر بار بار قدم رنجہ فرمائیں! آمین

شکر و سپاس اس کے بعد میرا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ خوشگوار فریضہ یہ ہے کہ میں بحیثیت خادم جامعہ اپنی مجلسِ شوریٰ، اپنے ادارہ کے اساتذہ، شیوخ، طلبائے عزیز، فضلائے گرامی مسلمانانِ ہند، جمیع کارکنانِ ادارہ اور بالخصوص اجلاس صد سالہ کے مخلص کارکنوں کی طرف سے آنے والے مہمانِ کرام کا شکریہ ادا کروں، جنہوں نے مشرق و مغرب کے دور دراز سفروں کی صعوبتیں جھیل کر محض اللہ کے لئے اس بین الملی اجتماع میں شرکت فرمائی۔

بلاشبہ یہ اسلام ہی کی جامعیت اور اجتماعیت کا کرشمہ ہے کہ ہم جیسے عزبا ان کبرائے قوم اور عظمائے ممالک کو اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں اور ان کے پرُ از مودت و اخوت چہروں کی چمک دمک سے اپنی آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور بڑھا رہے ہیں جس میں علماء و عرفا بھی ہیں اور اصحاب حدیث و تفسیر بھی ارباب فقہ و اصول بھی ہیں اور دانایانِ فلسفہ و کلام بھی، علوم شریعت کے شیوخ بھی ہیں اور علوم جدیدہ کے دانشور بھی، عمائد ملک و ملت بھی ہیں اور زعمار ممالک و اقوام بھی، جن میں سے ایک ایک فرد ایک مستقل یونیورسٹی کا درجہ رکھتا ہے اور اپنی مؤقر خدمات سے انسانیت کے لئے رہنما تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ کس زبان سے اور کن الفاظ میں ان جلیل القدر ہستیوں کا شکریہ ادا کریں جب کہ الفاظ تو جذبۂ امتنان و منت پذیری سے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان ہستیوں کی بلند مکانی تک صد ہزار کوششوں کے باوجود نہیں پہنچ پاتے۔

دامانِ نگاہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار

ہم زبان و بیان بلکہ زمین و آسمان سے بھی زیادہ وسعت رکھنے والے اور ایمانی تقاضوں اور روح اسلامی سے مملو پرُ خلوص جذباتِ تشکر کو دعائیہ تعبیر میں آپ حضرات کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں کہ:

"جزاکم اللہ فی الدارین خیرا" وابقاکم فی عزعلی الدوام۔ آمین

دیوبند ایک تاریخی اور مرکزی بستی حضرات محترم! یہ بستی (دیوبند) جس میں آپ سب حضرات جمع ہیں، بہت پرانی اور قدیم الایام بستی ہے، تاریخوں سے تقریباً ڈھائی تین ہزار سال تک اس کی آبادی کا پتہ چلتا ہے، قدیم زمانہ سے یہ بستی برادرانِ وطن کی ایک زبردست تیرتھ گاہ ہونے کیوجہ سے (جو "دیوی کنڈ" کے نام سے معروف ہے اور اس پر آج بھی سالانہ میلہ لگتا ہے) مرکزیت کی حامل ہے، اس دیوی کنڈی کے نام پر اس بستی کا قدیم نام "دیبی بن" تھا جو کثرت استعمال سے "دیوبند" کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اس چھوٹی سی بستی میں جس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب ہے۔ سو سے اوپر مسجدیں ہیں جن میں متعدد مساجد شاہی زمانوں کی یادگاریں ہیں، آدینی مسجد یعنی قدیم جامع مسجد پانچسو سال اور ایک روایت کے مطابق آٹھ سو سال پرانی ہے جس کے سنگین کتبے پر بہلول شاہ ثبت ہے۔ مسجد خانقاہ عہد اکبری کی یادگار ہے۔ مسجد سرائے پیرزادگان عہد جہانگیری کے آثار میں سے ہے۔

یہ بستی شمالی ہند میں ۲۹ درجہ ۵۸ دقیقہ عرض البلد اور ۷۷ درجہ ۳۵ دقیقہ طول البلد دہلی سے ۹۲ میل شمالی جانب صوبۂ یوپی میں واقع ہے۔ شیر شاہی شاہراہ اعظم جو پشاور سے کلکتہ تک چلی گئی ہے۔ اس بستی سے ہو کر گزرتی ہے، اس بستی میں قدامت کے ساتھ مرکزیت کی شان بھی پہلے ہی سے موجود تھی، لیکن قدرت کو اس رسمی مرکزیت سے شرعی مرکزیت کا کام لینا تھا، اور اس جگہ سے علم کا ایک ایسا ہمہ گیر چشمہ جاری کرنا تھا جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک کو بھی علوم نبوّت سے سیراب کرے۔

روشن ضمیر، اہل دل اسکی پیشینگوئیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ (جسکی تفصیل "تاریخ دارالعلوم" میں دی گئی ہے۔) ان پیشینگوئیوں کے مطابق یہ بستی عالموں فاضلوں، قادرالکلام ادیبوں، آزادی کے جانباز مجاہدوں اور دینی میدان کے سرفروشوں کی بستی بننے والی تھی، یا باسباب ظاہرہ یہاں کی قدیم مساجد کی اذانوں اور تکبیروں، ذکر و تلاوت کی محفلوں اور نمازیوں کی جمگھٹوں کی برکات کا ظہور دینی رنگ میں ہونے والا تھا۔

قیام دارالعلوم کا پس منظر اور اسباب تاسیس وقت آیا تو ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ رست وخیز کے بعد اس بستی کا نیا دور شروع ہوا اور یہاں علمی و عرفانی زندگی کا ستارہ طلوع ہوا جبکہ ہندوستان کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ میں جا چکی تھی، اسلامی شوکت کے چراغ میں صرف دھواں اٹھتا ہوا رہ گیا تھا جو چراغ کے بجھ جانے کا اعلان تھا، دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبزوال تھے، دینی تعلیم گاہیں اور علمی خانوادے اجڑ چکے تھے، دینی شعور رخصت ہو رہا تھا، جہالت و ضلالت کی گھٹائیں اُفق ہند پر چھا چکی تھیں سنن انبیاء کی جگہ جاہلانہ رسوم و رواجات، مشرکانہ بدعات و خرافات اور ہوا پرستی زور پکڑتی جا رہی تھی جس سے دہریت والحاد فطرت پرستی آزاد فکری بے قیدیٔ نفس اور فوضویت کی وبا پھوٹ پڑی تھی چمن اسلام میں خوش آواز پرندوں کے زمزموں کی جگہ زاغ و زغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی۔ مسلمان مضطرب و بے چین اور مایوسی کا شکار تھے۔ علماء کے لئے پھانسیوں کے پھندے تھے یا جلاوطنی کے مصائب اس وقت چند نفوس قدسیہ نے اپنے منوّر قلوب میں یہ خلش اور کسک محسوس کی کہ ستم رسیدہ مسلمانوں کے ملّی وجود کے تحفظ اور علوم نبوّت اور اسلامی معاشرے کو بچانے کی کیا صورت اختیار کی جائے اور ان میں دینی شعور اور ایمان دارانہ سیاسی فکر کو حیات نو کس طرح بخشی جائے؟ تو یہ صلحائے

امت کمر ہمت باندھ کر میدان میں آئے جو رسمی قسم کے لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے جو غیبی اشارے کے تحت کھڑے ہوئے اور آگے بڑھے جن کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی (رحمۃ اللہ علیہ) تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھ کر اسے اس تجویز کی صورت دی کہ ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے اور اسکی تعلیم و تربیت اور علم و عمل کے ذریعہ ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کو سہارا دے کر دلوں کی مردہ زمینوں کو زندہ کیا جائے۔

چنانچہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو تعلیمی رنگ میں عالمگیر احیاء دین کی تحریک کا یہ پودہ چھتہ کی مسجد میں (جو آپ حضرات کی نگاہ میں آچکی ہے۔) ایک انار کے درخت کے نیچے صرف دو آدمیوں کے ذریعہ نصب کیا گیا، دونوں کا نام محمود تھا۔ ایک محمود معلم تھا اور ایک محمود متعلم، جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام سے معروف زمانہ ہوا۔ اس وقت نہ اس گمنام مدرسہ کے پاس اپنا کوئی مکان تھا نہ مکان بنانے کا سرمایہ، نہ پروپیگنڈہ تھا نہ اشتہار و اعلان کا تخیل، صرف توکل علی اللہ کا سرمایہ تھا جسکی تلقین اور تاکید خود بانیٔ اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے ہشتگانہ اساسی اصول میں بار بار بشد و مد کی گئی ہے۔

دار العلوم دیوبند احیائے دین کی عالمگیر تحریک غور کرنے کی بات ہے کہ جس طرح ہندوستان سے اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا حادثہ محض مقامی یا محض ملکی قسم کا نہ تھا بلکہ عالمی رنگ کا تھا جس کے دوررس اثرات دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی پڑے، چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہندوستان کی غلامی کتنے ہی ملکوں اور ریاستوں کی غلامی پر منتج ہوئی اسی طرح ایمانی اور علمی رنگ میں احیاء دین کی یہ تحریک جو "محمودین" سے شروع ہوئی، ابتداءً محض ایک ضعیف کونپل کی صورت میں نمودار ہوئی مگر اہل نظر کی نظر میں اس کونپل بلکہ اس کے تخم ہی میں ایک تناور شجرۂ طیبہ لپٹا ہوا محسوس ہو چکا تھا جسکے شیریں ثمرات سے ہندوستان ہی نہیں، دوسرے ممالک بھی بہرہ مند ہونے والے تھے اور وہ دین کی نشاۃ ثانیہ کا مصدر و منشاء بننے والا تھا۔

اس لئے جہاں غلامی کے رنگ میں اس ملک کی تخریب عالمی تھی وہیں تعلیمی رنگ میں یہ تعمیری تحریک بھی بانیٔ اعظم کے فکر پر عالمی ہی رنگ سے اٹھی جو نہ صرف علم دین کے لحاظ سے ہی عالمگیر ہوتی چلی گئی بلکہ قومی اور ملکی مفادات کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ثابت ہوئی تا آنکہ اسی تحریک کے پروردوں نے جہاں سو برس بعد غلام ہندوستان کو آزاد کرایا وہیں اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر جو ممالک اور ریاستیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ آزادی کا سانس لینے لگے، تخریب اگر عالمی انداز کی تھی تو اس کے ردِ عمل کے طور پر یہ تعمیر بھی عالمی ہی انداز سے ابھری جس کا علمی و عملی فیضان چند ہی سال میں ایشیاء سے آگے بڑھ کر افریقہ تک پھیل

گیا اور آج یورپ و امریکہ تک بھی اسکی شعاعیں پہنچ چکی ہیں۔ ان ساری آزادیوں کا خاموش رہنا بھی جامعہ دارالعلوم دیوبند تھا جس کے فضلاء نے درس و تدریس کے ساتھ مختلف قومی سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں اتر کر تحریکات کے ذریعہ اس ملک میں آزادی کی روح پھونکی اور ۱۸۵۷ء ہی سے پھونکنی شروع کر دی تھی جب کہ ملک کے دوسرے حلقے سراسیمہ اور خاموش تھے یا خوشامد میں لگے ہوئے تھے، ان بزرگوں نے غاصب انگریز کا مقابلہ ابتداءً آہنی تلوار سے کیا پھر امن اور علم کی ناقابل شکست طاقت سے نبرد آزما ہوئے اور علمی رنگ سے یہ جذبات دور رس ثابت ہوئے اور آزادی کی لہریں دور دور تک پھیلیں جس سے اس جامعہ کے مؤسسین فضلاء اور روشن ضمیر حلقوں کی سنہری تاریخ بھری ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کا بنیادی اور ہمہ گیر مقصد اس مرکزی جامعہ کی تعلیم کا اساسی مقصد کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم و ترویج اسکی عملی تمرین اور عمومی اشاعت و تبلیغ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعصب آمیز منافرتوں کا استیصال کر کے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے، تاریخ اس پر شاہد ہے کہ بحیثیت مکتب فکر اس درس گاہ نے ہر اسلامی طبقہ کیطرف موانست و محبت کا ہاتھ بڑھایا اور بحیثیت جامعہ اس نے اپنا تعلیمی نصاب ایسا جامع رکھا کہ کوئی بھی اسلامی طبقہ اس سے باہر نہ رہنے پائے نصاب میں حفظ قرآن سے لے کر تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ کلام، بلاغت و بیان، حقائق و اسرار اور ان منقولات کے ساتھ علوم معقولہ، منطق فلسفہ، ریاضی ہیئت، عروض و قافیہ مناظرہ اور اختیاری فنون، مبادی سائنس معلومات عامہ، علم طب، صنعت و حرفت اور خوشخطی وغیرہ نصاب درس میں شامل کیں تاکہ کوئی بھی علمی عملی اخلاقی اور صنعتی طبقہ اس اجنبیت کو محسوس نہ کرے اور نہ صرف یہی بلکہ علم دین کے ہر بنیادی شعبے کو اس جامعہ میں ایک مستقل مدرسہ و کلیہ کی حیثیت و صورت دی گئی ہے، جیسے مدرسۃ القرآن، مدرسۃ التجوید، مدرسۂ فارسی و ریاضی، کلیۃ الطب، کلیۃ الصنائع، کلیۃ اللغۃ العربیۃ اور کلیۃ الفقہ والافتاء وغیرہ اس طرح اس درسگاہ نے ایک مذہبی یونیورسٹی اور جامعہ کی صورت اختیار کر لی اور الحمدللہ ہر ہر فن کے متخصص تاحال اس سے ۱۶ ہزار تیار ہو چکے ہیں اور جامعہ سال بسال مائل بترقی ہے۔ ان ۱۶ ہزار فضلاء کی تعداد میں مدرسین بھی ہیں اور مبلغین بھی ہیں اور مؤرخین بھی، اطباء جسمانی بھی ہیں اور مصلحان روحانی بھی، فضلاء دارالعلوم کی مذکورہ ۱۶ ہزار تعداد بلاواسطہ ہے اور بالوسائط ان فضلاء کو بھی شمار کیا جائے جو فضلائے دیوبند کے تیار کردہ ہیں تو یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے اور اس علمی گہوارہ کے لاکھوں لاکھ مستفیدین نہ صرف برصغیر میں بلکہ ایشیاء افریقہ، یورپ اور امریکہ تک میں بیش بہا دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد حضرت بانیٔ دارالعلوم اور جملہ بزرگان دیوبند کی سب سے بڑی سیاست

ہی یہ تھی کہ دینی تعلیم گاہیں قائم کرکے مسلمانوں کو سنبھالا جائے، چنانچہ حضرت الامام بانی دارالعلوم رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند کے علاوہ بھی جگہ جگہ بنفس نفیس پہنچکر دینی درسگاہیں قائم کیں اور اپنے متوسلین کو خطوط بھیج بھیج کر بڑی تعداد میں مدارس قائم کرائے۔

دارالعلوم دیوبند کے مناہج پر اور قاسمی فکر سے وابستہ معاہد و مدارس دینیہ ہی برصغیر میں درحقیقت دین کی بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوئے اور ہو رہے ہیں، اس طرز فکر کی کامیابی پر گزشتہ صدی کے ایک ایک دن اور ایک ایک رات نے مہر تصدیق ثبت کی ہے اور آج بحمد اللہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں دیوبندی مکتب فکر کے ہزاروں مدارس موجود ہیں جن میں یہی علماء دیوبند علمی، تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے بغیر تحفظ دین اور اتباع سنت نبوی کے راستے پر مسلمانوں کو چلانے اور قائم رکھنے کی اور کوئی صورت نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا بنیادی مقصد تعلیم اور تربیت اخلاق ہی ظاہر فرمایا ہے۔

انّما بعثت معلما اور بعثت لاتمّم مکارم الاخلاق۔

یعنی احکام کا تعلق تعلیم سے ہے جو حدیث اوّل کا مفاد ہے اور احکام کے مطابق زندگی گزارنے کا تعلق تربیت اور تزکیۂ اخلاق سے ہے جو دوسری حدیث کا مفاد ہے اس لئے علمائے دارالعلوم نے انہی دونوں چیزوں کو اپنی زندگی کا بنیادی مقصد ٹھہرایا اور کامیابی کے ساتھ یہ منازل طے کیں!

ترکت فیکم الدین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنّت رسولہ (ابن ماجہ)

دارالعلوم کی تصنیفی خدمات | اس مکتب فکر کا دوسرا سلسلہ تصنیف و تالیف کا ہے تو اس سلسلے میں بھی علمائے دیوبند کے قلم حقیقت رقم نے پانچ ہزار سے زائد تصانیف کا عظیم الشان ذخیرہ اردو، فارسی عربی اور انگریزی میں جمع کیا جو برصغیر کے ہر اسلامی مکتب فکر سے بدرجہا زائد اور وقیع ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ آغاز دارالعلوم ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ خود حجۃ الاسلام حضرت بانیٔ اعظم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ۲۵ سے زائد ہیں، جن میں علم کلام، عقائد اور فقہیات وغیرہ کو عقلی اور حسی دلائل سے مبرہن کیا ہے اور ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اس سلسلے کو نہر سے بحر بنا دیا۔ دارالعلوم کے مشہور مصنفین جنہوں نے فنون دینیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، احسان، اجتماعیات، سیاسیات، تاریخ اور سیرت وغیرہ میں تصنیفی خزانہ جمع کیا ہے۔ ان میں سرفہرست نام حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا آتا ہے جنکی تصانیف کا عدد ایک ہزار تک پہنچا ہوا ہے۔ جو موصوف نے ہر علم و فن میں، نثر و نظم میں عربی، فارسی اور اردو میں مدون فرمائیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب

محدث گوجرانوالہ پاکستان، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و محدث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت علامہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دارالعلوم دیوبند، پھر ان کے تلامذہ میں حضرت شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی " صاحب فتح الملہم " حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب محدث مدرسہ امینیہ دہلی و صدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدیر رسالہ " القاسم " " والرشید " دیوبند، حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری محدث دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی محدث دارالعلوم دیوبند، پھر حضرت علامہ کشمیری کے تلامذہ میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، ثم المدنی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان، مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، مدیر برہان دہلی۔ مولانا منظور نعمانی صاحب مدیر الفرقان " لکھنؤ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیر ترین تلامذہ میں یہ احقر راقم السطور بھی شامل ہے جنکی تصانیف سو سے اوپر ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا مدنی کے تلامذہ میں **مولانا عبدالحق صاحب** بانئ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان، مولانا سید محمد میاں صاحب محدث مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، سربراہ مدرسہ رحمانیہ مونگیر بہار، مولانا حامد الانصاری غازی صاحب وغیرہ اور ہزاروں وہ فضلاء ہیں جن کے قلم سے ہزارہا تصانیف وجود میں آئیں اور اس طرح تصنیف کے سلسلے میں بھی یہ مکتب فکر برصغیر کے تمام مکاتب فکر سے آگے اور ممتاز ہے جس نے دین کے ہر ہر گوشے کو اجاگر کیا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مسائل کو علمی رنگ میں دنیا کے سامنے رکھا۔

ساتھ ہی دارالعلوم محض ایک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ ایک عملی تربیت گاہ بھی ہے جہاں علم کے ساتھ عمل صالح، اخلاق فاضلہ اور کثرت ذکر کی روح بھی طلبہ میں پھونکی اور پیوست کی جاتی ہے۔ اس ادارہ میں حسن سلوک، واحسان کے تحت شخصی تربیت کے علاوہ اصولی اور علمی طور پر بھی فن کے مسائل کو کتاب وسنت سے واشگاف کر کے اس مصنوعی تصوف پر کاری ضرب لگائی ہے جو فی زمانہ بنام تصوف چند بندھی جڑی رسوم و بدعات و محدثات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے، اس لئے یہاں سے پڑھ کر نکلنے والوں میں علم کے ساتھ عزت نفس، وقار، استغنا اور خودداری کے ساتھ خاکساری، تواضع، زہد و تقوی اور صلاح و رشد کی روشنی بھی راسخ ہوتی ہے جو اس کے فروعی مدارس میں بھی پھیلی ہوتی ہے، دارالعلوم دیوبند برصغیر کے مدارس و جامعات میں ام الجامعات ہے، اس لئے اسے ازہر الہند بھی کہا جاتا ہے جس کے فیضان سے ہزارہا مدارس و معاہد چل

رہے ہیں اور لاکھوں کے قلوب میں ایمانوں کی حفاظت ہو رہی ہے اور بے شمار افراد طریق سنّت پر لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس دَور کی عقلیت پسندی اور خوگرئ محسوسات چونکہ نقلیات دین کے ماننے میں حارج ہوتی تھی اس لئے انہی فضلائے دارالعلوم دیوبند نے قاسمی رنگ سے متکلمانہ انداز کی بھی سینکڑوں تصانیف سطح پر لا رکھیں جس سے نام نہاد عقلی شکوک و شبہات، تمدنی تاویلات اور معاشی تحریکات کا پردہ یکسر چاک ہوگیا۔

ان فضلائے گرامی کو اگرچہ دستار و سند تو آج دی جارہی ہے، لیکن بہت پہلے سے اپنی خدمات و تعلیمات سے خود سند و مستند ثابت ہو چکے ہیں۔

جامعہ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی امتیاز اس دارالعلوم میں خصوصیّت سے تدریس حدیث پر غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے جو قرآن حکیم کی اوّلین تفسیر اور فقہ اسلامی کا اوّلین سرچشمہ ہے اس لئے فن حدیث کی تکمیل سے قرآنِ مبین اور فقہ فی الدین دونوں کے سمجھنے کی صحیح استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اس کے نصاب کا اساسی حصّہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام، بلاغت و معانی، ادب عربی اور صرف و نحو ہے۔ بقیہ فنون بطور مبادی و اسباب یا بطور آثار و نتائج پڑھائے جاتے ہیں۔

دارالعلوم کا سلسلۂ سند اس دارالعلوم کا سلسلۂ سند اساتذۂ دارالعلوم سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی تک، اور ان سے سندِ متصل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ دارالعلوم کی جماعت خالصتہً اہلِ سنّت والجماعت ہے جسکی بنیاد کتاب و سنّت اور فقہ ائمہ پر قائم ہے اس کا اصلِ اصول توحید اور عظمتِ رسالت ہے جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے۔ اس کے ذوق پر تمام مسائل میں اوّلین درجہ نقل و روایت اور آثار سلف کو حاصل ہے اس لئے فضلائے ادارہ کتاب و سنّت کی مرادات اقوال سلف سے، ان کے متوارث تعامل و ذوق کی معرفت کے ساتھ اساتذہ و شیوخ کی تربیت و صحبت اور معیت و ملازمت سے حاصل کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی یہ مکتب فکر عقل و درایت اور تفقہ فی الدین کو بھی فہم کتاب و سنّت کا ایک اہم ترین رکن قرار دیتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم کا انتظامی طریقۂ کار انتظامی حیثیت سے اس دارالعلوم کی تعلیمات و انتظامات کی نگران اعلیٰ ایک مؤقر مجلس شوریٰ ہے جس میں ملک کے مقتدر علماء اور ارباب فکر و نظر فضلاء شامل ہیں جن میں بعض بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ ادارۂ اہتمام مجلس شوریٰ کا نمائندہ اور معتمد ہے جو ادارہ کا انتظام سنبھالتا ہے۔ اس مرکزی ادارۂ اہتمام کے تحت چوبیس انتظامی شعبے ہیں، ساٹھ اساتذہ اور دو سو سے اوپر شعبہ جاتی عملہ ہے جو تقسیم کار کے اصول پر کام کرتا ہے ان تمام شعبوں کا حقیقی مقصد اساتذہ اور طلبہ کی ضروریات کی تکمیل اور نظامِ تعلیم کی استواری ہے جس پر سالانہ ۳۰ لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے جسکی تکمیل کا شعبۂ محاسبی ذمہ دار ہے۔ اس کے ذریعہ ہر سال

میزانیہ تیار ہو کر مجلس شوریٰ سے منظور کرایا جاتا ہے اور اسے باضابطہ آڈٹ بھی کرایا جاتا ہے۔

ملی اور اجتماعی دائروں میں جامعہ دارالعلوم کی تاریخی خدمات اسی کے ساتھ دارالعلوم کی سرگرمیاں محض درس و تدریس تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس نے قومی ملکی اور سیاسی معاملات میں بھی اندرون حدود شرعیہ بڑھ چڑھ کر قائدانہ حصہ لیا اور لے رہا ہے اور اس کے اکابر کے کارنامے بھی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی نے جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جو نقش اپنے پاکیزہ لہو سے کھینچا تھا وہ ہر وقت علماء دیوبند کے سامنے ہے۔

۱۸۵۷ء میں حضرت نانوتویؒ بانی اعظم دارالعلوم اور حضرت قطب وقت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سرپرست اعظم دارالعلوم نے شاملی کے میدان میں تلوار اٹھائی اور انگریزوں سے جنگ کی حضرت نانوتوی مجاہدین کے قائد تھے۔ پھر ان کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اسی قیادت کو لیکر اٹھے، اور آزادیٔ ہند کے لئے وہی ۱۹۱۵ء کی ریشمی خط کی انقلابی تحریک کے قائد تھے جس کا مرکز افغانستان تھا اور کثیر التعداد سنٹر مختلف ملکوں میں قائم تھے، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے سرفروش مجاہدان کے دست راست تھے اس راہ میں ہزاروں شہید ہوئے ہزاروں غازی بنے، خود حضرت شیخ الہندؒ پانچ سال تک فرنگی قید میں مالٹا رہے اور رہا ہونے کے بعد ہندوستان پہنچ کر اسی جوش جہاد سے جمعیۃ علماء ہند کی سرپرستی فرمائی اور آپ کے بعد یہ جماعت فضلاء دارالعلوم ہی کے تحت مصروف خدمت رہی ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور پھر ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں دیوبند کے کتنے ہی علماء نے قائدانہ حصہ لیا۔ یہ اسی موروثی جذبہ اور عمل کا اثر تھا کہ جب ملک معظم عبدالعزیز آل سعود نے جزیرۂ عرب میں اسلامی حکومت کا پر داز ڈالا تو علماء دیوبند نے سب سے پہلے اس کی حمایت کی اور دیوبند سے متعدد علماء اس کی تائید کے لئے سفر کر کے حجاز پہنچے اسی طرح ماضی قریب میں جب بیت المقدس اور فلسطین کی آزادی کی تحریک اٹھی تو صیہونی اور برطانوی سامراج کے خلاف علمائے دیوبند ہی کا فتویٰ سب سے پہلے صادر ہوا اور ان مسائل میں دارالعلوم ہی نے تمام مسلمانوں کو اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک محاذ پر جمع کیا اور اجتماعی احتجاج عمل میں آیا۔

اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم اور انہیں پسماندہ و متفرق کرنے کے لئے جب بھی فضلائے دیوبند آگے بڑھے چنانچہ مسلمانوں میں تنظیمی اور طبقاتی اتحاد پیدا کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت قائم کی گئی، جس کی سربراہی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی فاضل دیوبند رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر دارالعلوم کی یہ خواہش ہو کہ عامۂ اسلام کے رہنما تعلیمی، علمی، تمدنی اور اجتماعی میدانوں میں علمائے دیوبند

اور مسلمانانِ ہند سے تعاون کریں تو اس کی ہمہ جہت روشن تاریخ کی روشنی میں یہ خواہش یقیناً بجا اور برمحل ہوگی حاصل یہ کہ جب بھی کوئی سیاسی فتنہ اٹھا جس سے مسلمانوں کے اجتماعی یا مذہبی معاملات کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوا تو علماء دیوبند نے بیرونِ ملک بھی اس کے سدباب میں وہی پامردی دکھلائی جو اندرونِ ملک ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

جامعہ دارالعلوم اور باطل تحریکات کا مقابلہ | انگریزی حکومت کے ایماء سے اس ملک میں بہت سی گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں جن کے ذریعہ یہاں کے باشندوں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو راہ راست سے ڈگمگانے کی کوششیں کی گئیں مگر دارالعلوم دیوبند اور اس کے فضلاء نے پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور بحمد اللہ ان کوششوں کی بدولت مسلمان انگریزی حکومت کی وسیسہ کاریوں سے بہت حد تک محفوظ رہے بعض باطل پسندانہ تحریکات حضرت بانیٔ اعظم کی حیات میں بڑے طمطراق کے ساتھ میدان میں آئیں اور ان کی جانب سے اسلامی احکام و مسائل پر جاہلانہ اور غلط اعتراضات کی بوچھار کی گئی، لیکن حضرت بانیٔ دارالعلوم اور پھر ان کے تلامذہ نے مناظروں اور تصانیف کے ذریعہ ان کے برخلاف ایک مضبوط بند باندھ کر انہیں ختم کر دیا۔

انکارِ حدیث کا فتنہ ابھرا تو انہی فضلائے دیوبند نے جیسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور راقم الحروف نے نہایت مدلل کتابیں تالیف کر کے اس کا سدِباب کیا۔ اسی طرح قادیانیت اور دوسرے طریقوں سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اسکیم تیار ہوئی تو دارالعلوم دیوبند نے پچاس سے زیادہ فضلاء اس کے مقابلہ کیلئے میدان میں اتار کر ان مکروہ سازشوں کا قلع قمع کیا۔ فقہیات اسلامی میں مداخلت کا فتنہ اٹھا تو دارالعلوم ہی نے قضاءِ شرعی قائم کرنے کی تحریک اٹھائی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رح مہتمم خامس دارالعلوم نے پانچسو علماء کے دستخطوں سے برطانوی حکومت کے سامنے محکمۂ قضاء شرعی کا مطالبہ پیش کر دیا جس سے یہ باطل تحریک مضمحل ہوگئی، ابھی ماضی قریب میں دوبارہ اس تحریک نے ترمیم فقہ کا روپ اختیار کیا اور عائلی قوانین اور فقہ میں ترمیم کرنے کی آوازیں بلند ہوئیں تو دارالعلوم ہی کی تحریک پر بمبئی میں تمام مسلم فرقوں کا کنونشن بلایا گیا اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا جس کی صدارت بالاتفاق مہتمم حال دارالعلوم دیوبند کے سپرد کی اور بورڈ کی متحدہ احتجاجی آواز پر حکومت نے اعلان کیا کہ وہ خود مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم نہیں کرے گی۔

غرض برصغیر میں جامعہ دیوبند کے ان علماء ربانیین اور فضلاء صالحین نے درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ مذہبی اور دینی فضاء کو کبھی مکدر اور زہر آلود نہیں ہونے دیا بلکہ قلوب اور دماغوں کو جلا بخشنے کے لئے مدلل تحریر و کتاب اور تقریر و خطاب کے ذریعہ ایک زبردست پشتہ بنا کر ان سیلابوں پر بند باندھ دیا۔ اس طرح برصغیر کے مشرکانہ ماحول میں اس نے دین توحید کو اسکی اصلی صورت میں قائم و برقرار رکھا ہے۔ اور آج یہ جامعہ اس

بین الاوطانی اجتماع میں اپنی خدمات پر ایک بڑی حسی دلیل کے طور پر اپنے ان ہزاروں فضلاء کو پیش کرنے میں شکر آمیز فخر محسوس کر رہا ہے کہ جن کی خدمات سے اطراف عالم میں دین پھیلا اور پھیل رہا ہے۔

عصری بین الاقوامیت کے تقاضے یہ علمی اور عملی ثمرات اس وقت کے ہیں جبکہ دنیا پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک کا دائرۂ عمل اپنی ہی حدود تک محدود رہتا تھا لیکن آج وسائل نقل وحمل اور ذرائع علم وخبر کے وسیع تر ہو جانے کے سبب یہ پوری دنیا سمٹ کر ایک عائلہ اور قبیلہ بن چکی ہے اور کوئی بھی ملک محض اپنی داخلی سیاست سے اپنا کام نہیں چلا سکتا جب تک کہ اس کے روابط دوسرے تمام ممالک سے مستحکم نہ ہوں، اسی لحاظ سے آج دنیا کے سارے ممالک ملک واحد بن چکے ہیں اور پوری دنیا ایک نقطہ پر آگئی ہے اس لئے سیاسی امور ہوں یا انتظامی، سب بین الاقوامی رنگ ہی سے نمایاں ہو رہے ہیں اس لئے ہمیں بھی مقامیت سے آگے بڑھ کر بین الاقوامیت کے دائرہ میں قدم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ گو دار العلوم کا مزاج ابتداء ہی سے بین الاقوامی ہے، اس نے قومی اور بین الاقوامی اسلامی تحریکات و اجتماعات میں بھی شرکت سے کبھی گریز نہیں کیا، مؤتمر عالم اسلامی مصر، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مؤتمر السیرت والسنۃ "دوحہ وقطر" مؤتمر الجغرافی ریاض میں اس کے نمائندگان نے شرکت کی اور اب اس اجلاس صد سالہ کے تعارف کے سلسلے میں بھی دار العلوم نے اپنا وفد کویت، سعودی عرب اور امارات متحدہ بھیجا نیز رابطہ عالم اسلامی کی فرمائش پر یہاں سے تربیت الاطفال کے سلسلے میں متعدد اہل قلم نے مقالات ارسال کئے۔ اور آج بھی دار العلوم کا یہی جذبہ ہے کہ اس کے ان علمی اور ثقافتی مقاصد کو اجتماعی رنگ سے عالمگیر بنایا جائے اور اسلامی تعلیمات کو اجتماعی قوت سے عالم آشکارا کیا جائے نیز اسلام پر وارد کئے جانے والے شکوک وشبہات کا پردہ اجتماعی رنگ سے چاک کیا جائے۔

بلاشبہ اس کے لئے ضرورت تھی کہ بین الاوطانی اشتراک کے ساتھ اسلامی منطقوں کے رجال علم وفضل کو تکلیف دی جائے اور دار العلوم کی خدمات پیش کر کے ان کی آراء گرامی سے استفادہ کیا جائے، ان خدمات کے پیش کرنے کا منشا ہرگز ہرگز اس جامعہ کا کوئی تفوق جتانا یا جماعتی خود ستائی کرنا نہیں حاشا وکلا۔ بلکہ یہ ہے کہ ماضی کا جائزہ لیکر مستقبل کے لئے آپ حضرات کے مشورہ و تعاون سے ان تبلیغی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی مقاصد کی تعمیم کا کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جسکی پشت پر سارے اسلامی منطقوں کی اجتماعی قوت کارفرما ہو۔ جس سے یہ دینی مقاصد اجتماعی انداز سے دنیا کے سامنے آسکیں اور عام مسلمانوں کی زندگیوں پر کوئی عملی اثر ڈال سکیں اور وہ ایمانی اخوت، باہمی تعاون، علمی اشتراک اور فکری یکسانی ہمت کے ساتھ اجتماعی عزائم و خدمات کو بروئے کار لا سکیں اور ان میں دینی دعوت کا وہ جذبہ ابھر آئے جو قرن اوّل کا نصب العین تھا کہ اس کے بغیر ان کی وہ پستی اور پست ہمتی دور نہیں ہو سکتی جو آج ان پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر اسلام کا مقصد واقعی اقوام دنیا کی اصلاح اور انہیں خدا پرستی پر

لانا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کے نام لیواؤں کا یہ مقصد نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد آج اجتماعی آواز، اجتماعی شعور، اجتماعی فکر اور اجتماعی تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ حقیقت آج کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ آج کوئی آواز بھی اس وقت تک وقیع نہیں بنتی جبتک کہ اس میں ہمہ گیری اور عالمیت نہ ہو اس لئے کہ آج کی سیاست ہے تو بین الاقوامی، تمدن و معاشرت ہے تو بین الاقوامی، تجارت و صنعت ہے تو بین الاقوامی، صلح و جنگ ہے۔ تو بین الاقوامی، حتیٰ کہ کھیل کود بھی ہیں تو بین الاقوامی۔

اس لئے قدرتی طور پر طبائع میں یہ جذبہ آنا ہی چاہیئے کہ دین کی دعوت اور اصلاحی آواز ہو تو وہ بھی بین الاقوامی ہی ہو۔ بالخصوص جبکہ اسلام خود ہی اپنی ذات سے بین الاقوامی بن کر دنیا میں آیا ہے جو ساری دنیا کی اقوام کے لئے پیغام ہے۔ بلکہ اس نے دنیا میں بین الاقوامیت کا پردانہ ڈالا ہے۔ اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "لیظہرہ علی الدین کلہ" کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آچکا ہے اور وہ یہی وقت ہے کہ جس میں فطرت اسلام پکار کر رہی ہے کہ یہ بین الاقوامی دین اور اس کے انسانی صلاح و فلاح کے ضامن بین الاقوامی مقاصد اور اسکی ہمہ گیر ثقافت بھی عالمی رنگ سے دنیا کے سامنے آئے۔

توحید و سنت کی حامل جماعت تیار کرنے کے بعد حالاتِ وقت کے پیش نظر جامعہ دارالعلوم کی یہ خواہش بجا اور برمحل ہے کہ اس نئی صدی میں اُمتِ مسلمہ اسلام کے عالمی مقاصد کو باہمی تعاون سے آگے بڑھائے اور جو کام اب تک شخصی یا انفرادی یا تن تنہا اداری قوتوں سے ہوا ہے اسے اجتماعی بنائیں تاکہ پوری دنیا پوری دنیا اسلام کے صحیح خد و خال سے واقف ہو۔

عالمی دعوت کیلئے تعلیمی جامعات میں ارتباط کی ضرورت

ہمارے نزدیک قابل غور ضروری مسائل میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ عالمی دعوت اسلام اور مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے کو درست کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس میں کن کن راستوں سے بگاڑ آرہا ہے اور اس کے انسداد کی کیا صورت ہے۔ عموماً بے پڑھے لوگوں کا بگاڑ رسوم رواجات اور کورانہ تقلید سے نشو و نما پا رہا ہے۔ جس کا انسداد تعلیم ہی سے ممکن ہے۔ پڑھے لکھوں کا بگاڑ شکوک و شبہات اور تخیلات سے پرورش پاتا ہے جس کا انسداد تبلیغی ذریعہ سے ممکن ہے۔ اور برسر اقتدار طبقوں کا بگاڑ جاہ پسندی اور ہوا و نفسانی سے ابھرا ہوا ہے جس کا حل ان سے ہمدردانہ رابطہ قائم کر کے انہیں راہ پر لگانا ہے۔ اس لئے ان سب کے لئے نفسیات شناس ایسے مخلص فکری مصلحوں کی ضرورت ہے جو ہر ملک کے برسر اقتدار طبقہ کو اس کے اقتدار کی برقراری کا یقین دلا کر ان کی شخصی اصلاح کے ساتھ ان عمومی مقاصد دعوت کے لئے انہیں آمادہ بھی کر سکیں اور ان سے کام بھی لے سکیں۔

بہرحال تقسیم عمل کے اصول پر ہر طبقہ میں ہی کے مناسب حال اصلاحی افراد کی تشخیص عمل میں لانے کا مسئلہ

آپ کے غور و فکر کا محتاج ہے، ساتھ ہی ان مسائل سے متعلق مالیاتی مصارف اور ایک بین الملی مشترک فنڈ کا وجود بھی اپنی طبعی اہمیت کے ساتھ محتاجِ اعتنا ہے۔ اس عظیم دینی و ملی مقصد و خدمت کے لئے یہ مرکزی جامعہ اپنی تمام تر علمی اور عملی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہے، ہم اس کے آرزو مند ہیں کہ اربابِ علم و فضل ہمیں اس باب میں بھی اپنے مؤثر مشوروں سے نوازیں کہ اس مرکزی جامعہ کا عالم اسلام کے تعلیمی جامعات و معاہد سے ممکن حد تک تعلیمی یکسانی کے ساتھ اس طرح قریبی رابطہ قائم ہو کہ جس سے طلبہ کے بین الجامعاتی تبادلے اور سندات کے معادلے کے مسائل سہل ہو جائیں اور عالمگیر سطح پر دینی خدمات کی راہیں ہموار ہو جائیں، غور کیا جائے تو فی زمانہ اداری قوت ایک بڑی قوت ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے تعلیمی، تہذیبی اور تبلیغی معیار سے جوڑ سکتی ہے اس کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ادارے جہاں ایک دوسرے کی خدمات سے باخبر رہنے کے ذرائع مہیا کریں وہیں معاندینِ اسلام کی لٹریری راہوں سے آنے والی دسیسہ کاریوں سے ایک دوسرے کو باخبر رکھنے اور بر وقت اس کا سدِباب کرنے کے لئے اپنے ذرائع ابلاغ کو مکمل طور پر استعمال کریں۔

اس ناچیز نے دارالعلوم کی ماضی کی خدمات کے اجمالی تذکرہ اور مستقبل کے منصوبوں کی پیشکش کے ساتھ چند مشورہ طلب نقاط بھی پیش کر دینے ضروری سمجھے۔ تاکہ اس بامقصد اجلاس کے اثرات آئندہ نسلوں کیلئے دیرپا اور خوش آئندہ ثابت ہوں۔

اس کے بعد میں اس سمع خراشی پر معذرت خواہی کے ساتھ صدر معظم مہمانان کرام اور معزز حاضرین کے تہ دل سے مکرر شکریہ تشریف آوری پر ان افتتاحی اور خیر مقدمی کلمات کو ختم کرتا ہوں۔ والحمد للہ کثیراً اوّلاً و آخراً۔

■■

اہلِ علم و فضل کیلئے دعائے مغفرت کی اپیل

۱۴ ربیع الثانی کو حضرت مولانا عبدالرفیع بادشاہ صاحب فاضل دیوبند بام خیل تحصیل صوابی میں انتقال فرما گئے علومِ دینیہ کی ترویج میں پیش پیش، مدرسہ مدینۃ العلوم کے بانی اور حکیم حاذق تھے تحریک پاکستان کے بھی سرگرم رکن رہے۔ نماز جنازہ دارالعلوم حقانیہ کے استاذ الحدیث مولانا عبدالحلیم مردانی مدظلہ نے پڑھائی۔ آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

پاکستان میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی تصانیف اور علوم کو فروغ دینے والے ادارہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی کے بانی مولانا فضلِ ربی ندوی کے والد اور اکابر علماء سے تعلق رکھنے والے بزرگ اور معزز شخصیت حاجی محمد عارفین صاحب شیشے والے ۱۶ اپریل کو اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ ہر دو بزرگوں کے رفع درجات کیلئے قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ادارۃ الحق اور دارالعلوم حقانیہ ہر دو حضرات کے غم میں شریک ہیں۔ (ادارۃ الحق)

تجدیدِ دین اور ملّتِ مسلمہ کے نشأۃ ثانیہ کی حامل

قراردادیں

دار العلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس کی منظور شدہ تجاویز

دار العلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ منعقدہ ۲۱/۲۲/۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء میں مندرجہ ذیل نہایت اہم اور دور رس نتائج کی حامل تجاویز منظور کی گئیں۔

اعتراف و تحسین | یہ عظیم الشان اجلاس دار العلوم دیوبند کی ناقابلِ فراموش تاریخ ساز اور غیر معمولی خدمات کا اعتراف کرتا ہے جو اس نے ایک صدی سے زیادہ عرصہ میں انجام دی ہیں۔ دار العلوم نے دشواریوں، ناموافق حالات، انگریزوں کی مخالفت اور مالی بے سروسامانی کے باوجود علم و تحقیق، دعوت و طریقت اور علوم و فنون کے مختلف گوشوں کیلئے ایسے افراد تیار کئے جن کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ دار العلوم دیوبند نے علماء اہلِ علم، دانشور اور عوام کے ہر ایک طبقہ کو متاثر کیا ہے۔ اور ان میں دین کا درد و تڑپ، اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ کا جذبہ اور عقیدہ صحیحہ کے قبول کرنے اور اس کے پھیلانے کا حوصلہ دیا ہے۔ اس اجلاس میں لاکھوں انسانوں کا وجود دراصل دار العلوم کیلئے قابلِ قدر خراجِ تحسین اور اس سے محبت و تعلق اور اس کے غیر معمولی عوامی رابطہ کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔ یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ ہندوپاکستان اور بنگلہ دیش سے ہزاروں کی تعداد میں علماء کی تشریف آوری دراصل برِّصغیر میں دار العلوم دیوبند کی خدمت کی وسعت کا پتہ دیتی ہے۔ اور یہ یقین ہوتا ہے کہ سو سال میں دار العلوم نے غیر معمولی طور پر پورے اخلاص و اعتماد علم و آگہی کے ساتھ برِّصغیر میں دین کی اشاعت اور عقیدہ صحیحہ کی ترویج کی بے نظیر خدمت انجام دی ہے۔ اور علوم و فنون کے تمام حصّوں کو متاثر کیا ہے۔

یہ عظیم الشان تاریخی اجلاس دار العلوم کی عظیم خدمات اس کے ابنائے قدیم فضلاء اس کے اساتذہ کی خدمت پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اور ان مرحوم علماء اساتذہ اور بانیوں کو پورے احترام کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش

کرتا ہے جنہوں نے اس گلشن علم دین کی آبیاری کی ہے۔ اور یہ اجلاس یقین رکھتا ہے کہ دارالعلوم کی موجودہ نسل ماضی کی شاندار روایات کی صحیح نمائندہ اور علمی ترجمان ثابت ہوگی اور ملتِ اسلامیہ کی ہمہ جہت خدمات انجام دیتی رہے گی۔

نئی صدی اور قائدانہ کردار | یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ پورے عالم میں اسلام کی دعوت دنیا کو درپیش جدید مسائل کے حل اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے جدوجہد کے وسیع میدان میں ایسے علماء کی شدید ضرورت ہے جو علومِ نبویؐ میں مہارت کے ساتھ سائنس ٹیکنالوجی کے ارتقاء اور بدلی ہوئی تہذیبی اخلاقی اور معاشی قدروں نیز موجودہ دور کی مشکلات پر گہری نظر رکھتے ہوئے ایمان قوی، عزمِ راسخ اور فکرِ مندی کے ساتھ آنے والی صدی میں امت کی علمی، دینی اور اجتماعی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں۔ یہ اجلاس مندرجہ بالا مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تجویز کرتا ہے کہ:

کلیۃ الدعوت والارشاد | الف۔ دارالعلوم دیوبند اپنے ایک شعبہ کی حیثیت سے کلیۃ الدعوت الارشاد کا قیام عمل میں لائے جس کا مقصد مناسب مدت کے نصاب تعلیم کے ذریعہ ایسے افراد کا تیار کرنا ہو جو مذاہب قدیمہ افکار جدیدہ اور تحریکات حاضرہ کے تقابلی مطالعہ کی روشنی میں مثبت طور پر دنیا کو بتا سکیں کہ آنے والی صدی کا مذہب اور انسانوں کو نجات سے ہمکنار کرنے والا نظامِ زندگی "اسلام" ہی ہو سکتا ہے۔

مراکزِ دعوت | ب۔ دارالعلوم اپنی دعوتی اور خدماتی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسلام کی دعوت کے مراکز قائم کرے۔ جہاں دارالعلوم کے ان فضلاء کے ذریعہ جنہوں نے دعوت وارشاد میں تخصیص حاصل کیا ہے، دعوتِ اسلام کا کام لیا جائے اور مسلم آبادی کی زندگی کو منہاج اسلام پر قائم کرنے کیلئے اصلاح وتبلیغ اور تدریس وافتاء کی خدمت لی جائے۔

فقہ اسلامی | ج۔ دارالعلوم دیوبند موجودہ بدلے ہوئے حالات میں انسانی زندگی پر فقہ اسلامی کی تطبیق اور جدید مسائل کو شرع اسلامی کی روشنی میں حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کیلئے فقہ اسلامی میں تخصص کا ایسا شعبہ قائم کرے جہاں فقہ اسلامی، مصادر قانون، اصولِ فقہ، فلسفہ قانون، قواعد وکلیاتِ دین اور مختلف ائمہ کے مناہج استنباط کے تقابلی مطالعہ کا اہتمام ہو۔

تحقیقاتی ادارے | د۔ دارالعلوم اپنے زیرنگرانی ایسا تحقیقاتی وتصنیفی ادارہ قائم کرے جو موجودہ دور کی مختلف تحریکات عہدِ حاضر میں پیدا ہونے والے سوالات اور سیاسی ومعاشی نظریات کا جائزہ لے اور اس طرح کے علمی، تاریخی، فقہی، سیاسی ومعاشی موضوعات پر تحقیق وریسرچ کرے اور ان تحقیقات کے نتائج کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

لٹریچر کی وسیع اشاعت | یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ آج دعوت وارشاد کے میدان میں صحیح خطوط پر تیار کئے جانے والے ایسے لٹریچر کی شدید ضرورت ہے جس میں حکمت ودعوت کی رعایت کی گئی ہو اور ساتھ ہی وہ اسالیب بیان اختیار کئے گئے ہوں جو عصر حاضر میں سمجھے جانے والے ہیں۔ نیز یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اکابر علمائے ہند کے علوم اور ان کی علمی تحقیقات پر پوری دنیا کے علماء کا حق ہے۔ ان علوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بڑی دینی خدمت ہے۔ ساتھ ہی دنیا کے مختلف حصوں میں جو اسلامی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ انہیں اردو زبان میں منتقل کرنا ناقابل قدر خدمت ہوگی۔ اس لئے یہ اجلاس یہ طے کرتا ہے کہ ان مقاصد کے پیش نظر دارالعلوم اپنے زیر اہتمام ایسا وسیع دارالاشاعت قائم کرے جو اردو، عربی، انگریزی اور ملک کی علاقائی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اہم موضوعات پر کام کرے۔

گریجویٹ طلباء کیلئے دینیات کا نظم | دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم الشان صد سالہ اجلاس تجویز کرتا ہے۔ کہ یونیورسٹیوں کے ایسے گریجویٹ طلباء کے لئے جو دینی ذوق رکھتے ہوں اور جنہوں نے عربی یا دینیات میں ایم اے کیا ہو ان کے لئے دارالعلوم میں دینیات کے خصوصی شعبہ کا انتظام کیا جائے جس کے ذریعہ ان طلباء کو عربی، عربی ادب، فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور حدیث وتفسیر کی تعلیم دی جائے اور ان کو علوم دینیہ میں بصیرت پیدا کرائی جائے — اچھی صحبتوں اور صلحاء کی مجلسوں کے ذریعہ ان دل و دماغ کو پاکیزہ کیا جائے تاکہ دنیا کے مختلف حصوں میں وہ تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر سکیں۔

کلیۃ التربیۃ | اس امر واقعہ کے پیش نظر کہ اس وقت تربیت یافتہ مدرسین واساتذہ کی بڑی کمی ہے اگرچہ آج بھی ہمارے مدارس سے ذہین وباصلاحیت طلباء ہر سال فارغ ہو رہے ہیں۔ لیکن تربیت اور علمی ماحول سے محرومی کے باعث یہ صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف ہمارے قدیم اساتذہ کی مسندیں خالی ہوتی جارہی ہیں، ان حالات میں اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ دارالعلوم اپنے زیر اہتمام "کلیۃ التربیۃ" قائم کرے جس میں باصلاحیت فضلاء کی تربیت کا علمی وعملی انتظام ہو جس میں اصول تعلیم، نفسیات تعلیم، ترقی یافتہ طریقہ تعلیم سے انہیں آشنا کیا جائے اس طرح یقین ہے کہ مستقبل قریب میں اس خلاء کو پر کیا جاسکے گا۔ اور مدارس دینیہ عربیہ کو اچھے کامیاب اساتذہ مل سکیں گے۔

مدارس کی تنظیم | یہ اجلاس ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ کی عظیم الشان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ مدارس کی بے ربطی اور باہمی تنظیم کے فقدان کی وجہ سے ان کی افادیت میں کمی آتی جارہی ہے۔

علی العموم نہ مدارس کے درمیان کوئی رابطہ ہے نہ نصاب تعلیم میں یکسانیت نہ امتحانات کے مربوط نظام ہے

جس کے نتیجہ میں تعلیمی معیار پست سے پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ انہی مدارس سے دارالعلوم کو غذا ملتی ہے۔ اس لئے ان مدارس کے انحطاط کا اثر دارالعلوم کے معیار تعلیم پر بھی پڑنا ناگزیر ہے۔ اس لئے یہ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ مدارس اسلامیہ کی تنظیم کی جائے اور دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں مدارس اسلامیہ کا ایسا وفاق تیار کیا جائے جو نصاب تعلیم کی اصلاح و یکسانیت امتحانات کی تنظیم تعلیم کی نگرانی اور طلباء کے علمی و ذہنی نشو و نما کیلئے مفید اور ضروری اقدام اٹھائے۔

تنظیم فضلاء | دارالعلوم کا یہ عظیم الشان اجلاس تجویز کرتا ہے کہ دارالعلوم کے ثمرات اور اکابر دارالعلوم کی برکات کو وسعت دینے کیلئے فضلائے دارالعلوم کی تنظیم کی جائے۔ اس تنظیم کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہو اور اسکی شاخیں ہند و بیرون ہند کے مرکزی مقامات پر قائم ہوں۔ دارالعلوم کی یہ شاخیں اپنے اپنے حلقوں میں فضلائے دارالعلوم کی تنظیم کریں۔ ان کے مابین رابطہ قائم کریں اور وقتاً فوقتاً ایسے جلسے منعقد کریں جن سے دارالعلوم کے مقاصد کی نشر و اشاعت ہو اور اکابر دیوبند کے علمی و دینی فیوض سے اس علاقہ کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کا موقع ملے، اس تنظیم کا صدر دارالعلوم دیوبند کا مہتمم ہو۔

یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اسلام سے گہری اور صحیح وابستگی اور قرآن فہمی کے لئے عوامی سطح پر عربی زبان کو عام کرنا ضروری ہے اس لئے عربی زبان و ادب کی اشاعت کیلئے ملک کے مختلف حصوں میں ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو لسانی بنیادوں پر عربی کی تعلیم کا اہتمام کریں۔

دعوت الی اللہ | یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کے ان تمام فضلاء و علماء اور منتسبین سے جو دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں اپیل کرتا ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کی اہم خدمت کو پوری ہمت و قوت اور حوصلہ کے ساتھ انجام دیں اور دعوتی کاموں کی رفتار تیز کریں۔ خاص طور پر نئی نسل کی فکری اور عملی تربیت کی نازک ذمہ داری کو قبول کریں۔ یہ نئی نسل امت کا وہ گراں قدر سرمایہ ہے جس پر مستقبل کی تمام ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں۔ اسے عملی کم مائیگی اور فکری ارتداد سے بچانا بہت بڑی خدمت ہے۔

تنظیم ائمہ و مساجد | یہ اجلاس شدت کے ساتھ اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے کہ مساجد مسلمانوں کی زندگی کا بنیادی محور ہیں اور عہد نبویؐ اور عہد عروج میں یہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز فکر و عمل بھی رہی ہیں لیکن اب مساجد کے ائمہ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں اثر انداز نہیں ہو پا رہے ہیں جسکی اہم وجہ دعوت دین کے سلیقہ اور تربیت صحیحہ کی کمی ہے۔ اس لئے پورے ہندوستان میں مساجد کے نظام کو استوار کرے تنظیم مساجد اور تربیت ائمہ کے نظام کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ اجلاس ملک میں پھیلے ہوئے علماء اور ائمہ مساجد کو اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

نصاب تعلیم | یہ اجلاس ہندوستان کے تمام مدارس اور معاہد دینیہ سے اپیل کرتا ہے کہ وہ دعوت،

دین کے کاموں کو پھیلانے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق خدمت اسلام کے لئے ایسے علماء تیار کریں جو علوم قدیمہ کے ماہر ہوں۔ ساتھ ہی ان میں بدلتے ہوئے حالات، وقت کے تقاضوں اور نئے علوم کا ادراک و احساس ہو۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں ضروری تبدیلی لائی جائے اور دینی تعلیمی اداروں میں ایسا نصاب نافذ کیا جاسکے جس کو پڑھ کر علوم اسلامیہ سے گہری واقفیت، اسلام سے بھرپور شغف کے ساتھ عہد حاضر کی ضرورتوں اور تحریکات کا علم ہو جائے۔

اسناد | دارالعلوم دیوبند اور دنیا کے مختلف تعلیمی اور دینی اداروں کے درمیان رابطہ اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے یہ اجلاس ضروری خیال کرتا ہے کہ دارالعلوم کی سندوں کو دنیا کی مختلف تعلیم گاہیں تسلیم کریں اور یہاں کے فارغین کو وہ سہولتیں دی جائیں جو عام طور پر دوسری تعلیم گاہوں کے فارغین کو دی جاتی ہیں تاکہ دارالعلوم کے فارغ طلبا اپنی خواہش کے مطابق علمی تسلسل اور تعلیمی شغل کو باقی رکھ سکیں اور وہ دارالعلوم اور دوسرے اداروں کے درمیان برادرانہ تعلقات کا بہترین ذریعہ ہیں۔

فلسطین | دارالعلوم دیوبند بارہا مسئلہ فلسطین پر اپنے موقف کا اظہار کر چکا ہے اور آج ہی دارالعلوم کا نمائندہ صد سالہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ بیت المقدس اور فلسطین فلسطینیوں کے لئے ہے۔ عرب سرزمین پر اسرائیلی حکومت کا قیام بڑی طاقتوں کا ایک جرم ہے جسکی مکافات اسرائیلی حکومت کے خاتمہ ہی سے ہو سکتی ہے۔

ہندوستان ہمیشہ مسئلہ فلسطین میں عرب کی حمایت کی ہے اور آج بھی عربوں کو اپنی تائید، حمایت کا یقین دلاتا ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں دعاء کرتا ہے کہ وہ فلسطین کے مسئلہ کو مہاجرین کی وطن واپسی کے ساتھ حل فرما دے۔

روسی جارحیت اور افغانستان | دارالعلوم دیوبند کا یہ تاریخ ساز اجلاس افغانستان میں روسی مداخلت اور روسی فوجوں کی موجودگی کو انسانی حقوق اور جمہوری تقاضوں کے قطعاً خلاف سمجھتا ہے۔ روس کی یہ فوجی کاروائی کمزور ممالک کی خود مختاری اور اس عالم کیلئے کھلا چیلنج ہے۔ یہ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ روسی فوجیں افغانستان کو جلد از جلد غیر مشروط طور پر خالی کر دیں۔ اور حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے تاثرات کو کام میں لا کر روسی فوج کے تخلیہ اور افغانستان کے مسئلہ کو حل کرنے کی مخلصانہ کوشش کرے اور وہاں عوامی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرے۔ نیز یہ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ دوسری بڑی طاقتیں امریکہ اور چین وغیرہ افغانستان کے معاملہ میں دخل انداز ہو کر افغانستان کے مسئلہ کے حل میں رکاوٹ نہ بنیں۔

یہ نمائندہ اجلاس افغانستان کے سرفروش مجاہدین اور بہادر عوام کے ایمانی جذبات کی پوری قدر کرتا ہے جو اپنے ملک کی آزادی اور اسلامی قدروں کی بقاء کی خاطر جہاد کر رہے ہیں اور ماضی کی شاندار مجاہدانہ روایات

کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ یہ اجلاس ان تمام شہداء کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے جنہوں نے اسلام کی عظمت اور ملک کی آزادی اور خودمختاری کے تحفظ کی خاطر جامِ شہادت نوش کیا ہے، اور دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کے مراتب بلند فرمائے اور افغانستان کی آزادی کو برقرار فرما دے۔

یہ اجلاس دنیا کے تمام امن پسند انسانوں اور انصاف پسند اداروں اور حکومتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ افغانی مجاہدین اور زخموں سے چور افغانی عوام کی مالی اور اخلاقی امداد کریں اور ان کے ساتھ تمام معاملات میں بھرپور تعاون کریں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اپنی عظمت، تشخص اور امتیازات کو زندہ کیجئے

ملّت مسلمہ کو دیوبند کا پیغام

دیوبندیت کے چار عناصر کیا ہیں ؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے یہ تقریر دارالعلوم دیوبند کے جشنِ صد سالہ کے موقع پر اس عظیم مجمع کے سامنے کی تھی جس میں ہند و پاک کے لاکھوں فرزندانِ توحید کے علاوہ ایشیا و افریقہ خصوصاً عالم عربی کے بیشتر تعلیمی مراکز کے اہم اور ممتاز و منتخب نمائندے موجود تھے۔ پاکستان کے مقتدر عالم مفتی محمود نے مولانا کی تقریر کی زبردست تائید کی اور اس پر ان کو مبارکباد پیش کی سامعین کی اکثریت نے مولانا کی تقریر کو حاصل جلسہ اور اس سفر کا بہترین تحفہ قرار دیا۔ ذیل میں ہم اس تقریر کی تلخیص پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ " ادارہ "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فآواکم وایدکم بنصرہٖ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون۔

میرے بھائیو! عزیزو اور دوستو!

میں نے آپ کے سامنے سورۂ انعام کی یہ آیت پڑھی جو فوری طور پر میرے ذہن میں آئی، کسی غیبی طاقت نے میرے کان میں کہا، اس عظیم مجمع کو دیکھو جو لاکھوں کی تعداد میں تمہارے سامنے ہے۔ اس غیر معمولی تعداد کا تصوّر پہلی صدی ہجری میں بڑے سے بڑا جنگجو، غیر معمولی دوربیں، حوصلہ مند، صاحبِ فراست اور بڑے سے بڑا پیش گوئی کرنے والا بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دنیا ہی میں نہیں پورے کرۂ ارض میں بھی نہیں، ایک ایسے قصبہ میں جو جزیرۃ العرب سے سات سمندر پار ہے۔ اور جو زبان، تہذیب، قانون، قومیّت اور نسل و مذہب کسی بھی رشتہ سے جزیرۃ العرب سے منسلک نہیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جمع ہو سکے گی، قرآن مجید کی اس آیت پر دوبارہ غور کیجئے اور پہلی صدی ہجری کے، ان حالات کو یاد کیجئے جو مسلمانوں کیساتھ مدینہ طیبہ میں پیش آئے تھے ـــــــ قرآن مجید مسلمانوں کو مخاطب

کرکے (جن کی تعداد اس وقت چند ہزار سے زیادہ نہ تھی۔) کہتا ہے "جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ہر وقت ڈرتے تھے کہ تم کو کوئی جھپٹا مار کر اچک نہ لے جائے۔ یہاں پر قرآن مجید نے تخطّف کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی جھپٹا مارنا اور اڑ کر لے جانا ہے۔ حالت یہ تھی کہ تم لقمۂ تر تھے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو تو چھوڑیئے کہ حجاز بلکہ صرف قریش کا قبیلہ ہمیشہ کے لئے اس چراغ کو گل کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ قرآن مجید کے اندر مندرجہ ذیل آیت میں پھونک مار کر بجھانے کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم۔ یہ صرف ادبی لفظ نہیں اس کے سارے الفاظ معجز ہیں، اس لفظ میں ایک سچی اور صحیح تصویر ہے۔ حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کی زندگی کا چراغ اور اسلام کے چراغِ نور کو ہر وقت گل کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بجھانے کے لئے کسی پنکھے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ وہ منہ کے پھونک سے بجھایا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو تین جگہ قرآن مجید میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کے حالات کی صحیح اور سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فآواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون۔ اور تم کو پناہ دی اور تم کو نصرتِ خداوندی اور آسمانی مدد کے ذریعہ تمہاری تائید کی اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حلال و پاک چیزوں میں سے تم کو عطا فرمایا تاکہ تم شکر ادا کرو۔ طیبات کا لفظ عام ہے سلطنت سے لیکر مطلق العنان و باختیار سلطنت تک اور سلطنت کے دنوں میں جو عزت ہوتی ہے۔ جو اعزاز و امتیازات حاصل ہوتے ہیں، جو قانون سازی کی طاقت، آزادی و خودمختاری اور بلندی و برتری حاصل ہوتی ہے۔ یہ سب طیبات میں آتا ہے۔ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون۔ کہ شاید تم شکر کرو، اور تمہارے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

آج میں انسانوں کا جنگل دیکھ رہا ہوں اور اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب چند ہزار مسلمانوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلایا تھا، لیکن آج ہماری کیا حالت ہو گئی ہے۔؟ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک قصبہ میں دین کے خادموں کی ایک آواز پر دنیا کے دور دراز گوشوں سے کتنے انسانوں کو جمع کر دیا ہے، ہر ملک کے لوگ یہاں اس طرح جمع ہو گئے ہیں۔ اگر بے ادبی نہ ہو تو بلاتشبیہ میدانِ عرفات کا نقشہ یہاں دکھائی دے رہا ہے۔ جو طاقت مسلمانوں کو میدانِ عرفات میں جمع کرتی ہے وہی طاقت اور سنتِ ابراہیمی کی وہی کشش ہے جس نے آج اس قصبہ میں لاکھوں مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے۔

واذن فی الناس بالحج یأتوک رجالاً وعلیٰ کل ضامر یأتین من کل فج عمیق۔

مکہ مکرمہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو سنتِ ابراہیمی اور سنتِ محمدی کی وجہ سے مدرسہ میں اگر مسلمان جمع

ہوتے ہیں تو اس میں بھی سنتِ ابراہیمی اور نظامِ محمدی کی کشش کو دخل ہے اور آج بھی اس آواز میں وہ غیر معمولی طاقت اور کشش ہے جس کو اگر مسلمان سمجھ لیں تو دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت میں وہ اثر اور طاقت نہیں جو اب بھی ایمان کی آواز میں ہے۔ اقوامِ متحدہ سو بار جئے سو بار مرے، امریکہ اور روس جیسی بڑی بڑی طاقتیں مر مر کے زندہ ہوں پھر بھی ان کی آواز میں وہ طاقت و تاثیر نہیں جو اسلام کی آواز میں ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسی طرح آج بھی اس آواز میں وہ کشش، توانائی اور مسیحائی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں ہے۔ ہمیں اور آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر غالب کر دیا۔

میں نے عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو لا شئی سے کل شئی بنا دیا۔ اور میں آپ سے ایک بار نہیں ہزار بار کہتا ہوں کہ آپ کچھ نہ تھے۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کے طفیل میں عطا کر دیا۔

ذرا سوچئے تو سہی، آپ ہندوستان میں کس چیز کی پرستش کر رہے تھے۔؟ شجر و حجر سے کہ ہر چیز آپ کے لئے معبود و مسجود بننے کے لائق تھی پستیوں، ذلتوں، جہالتوں اور شقاوتوں کے اس بحرِ ظلمات سے آپ کو کس نے نکالا؟ یہ وہی انبیائے کرام کی دعوت تھی جو آخری طور پر قیامت تک کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس دنیا کو پہنچی۔ اگر عربوں پر یہ احسان ایک مرتبہ ہے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان سو بار ہے۔ میں عربوں سے بار بار خطاب کرتا ہوں اور ان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوں، یہ ان کی عالی ظرفی اور کریم النفسی ہے کہ جب میں نے ان کو جھنجھوڑا تو جھک گئے اور جب بھی میں نے ان کو پکارا تو انہوں نے آواز دی اور جب بھی ان کا ایک محتسب کی طرح احتساب کیا انہوں نے اس کو برداشت کیا۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی حق نہ تھا میں تو اس میخانہ کا ایک ادنیٰ مے خوار ہوں۔ اب میں آپ سے کہوں گا۔ اور سو بار کہوں گا کہ خود کو یاد کریں کہ آپ کہاں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہاں پہنچا دیا۔؟

میرے دوستو اور بزرگو! آپ اپنی حقیقی عظمت کے راز کو سمجھئے کہ دنیا میں اب تک ہزاروں طوفان، آندھی اور سیلاب کے باوجود آپ اب تک کیوں باقی ہیں۔؟ ایک ہندوستان ہی کی تاریخ کو دیکھ لیجئے، یہ زمین جس کو حالی نے اکّال الارض اور ہندوستانی تہذیب و مزاج کو اکال الامم سے تعبیر کیا ہے یعنی جو قوم یہاں آئی وہ تحلیل ہو گئی اور اس نے اپنی قومی خصوصیات و امتیازات کو کھو دیا۔ اور ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد کا منظر سامنے آتا رہا۔ اس میں نہ تو آریائی نسلیں باقی رہیں اور نہ دوسری قومیں۔ جو بھی یہاں آیا وہ اس کے رنگ میں رنگ گیا۔ لیکن وہ کیا چیز تھی جس نے آپ کو اپنے تشخص کے ساتھ باقی رکھا ہے؟ وہ ہے عقیدۂ توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار اور اس کے سامنے ساری طاقتوں

کا انکار - اور - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی محبت کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر ہم اس قابل ہوئے کہ اس منظر کو دیکھ سکیں۔ ہم ان عربوں کو اس لئے جمع کرتے ہیں کہ ان سے ملیں اور ان سے کہیں کہ اے ہمارے مرشدو! اے ہمارے استاذو! تم نے ہم کو جو سبق پڑھایا تھا اور جو مبلغ ہندوستان بھیجے تھے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہم یہاں ہیں اور ہم کندۂ تراش نہیں ثابت ہوئے۔ محمد بن قاسم الثقفی اور دوسرے بزرگانِ دین (خواہ وہ براہ راست عرب سے آئے یا دوسرے ملکوں سے ہوکر) جو سبق لے کر آئے تھے وہ سبق ہم نے یاد رکھا اور ہم نے آپ کو اسی لئے بلایا ہے کہ ہم اپنا سبق سنائیں اور یہ زبان حال سے سن رہے ہیں۔ اور حیرت زدہ ہیں کہ اس ہندوستان میں اتنے غیور مسلمان، شمع اسلام کے اتنے پروانے اسلام کی شمع کو اس طرح جلا سکتے ہیں اور علم کی شمع پر اتنے پروانے جمع ہو سکتے ہیں۔ ہم نے ان عربوں کو دارالعلوم کی تاریخ سنانے اور اس کے کارناموں کی عظمت سے باخبر کرنے کے لئے جمع نہیں کیا ہے۔ بلکہ ہم انہیں کے مشہور شاعر ابو فراس ہمدانی کا وہ شعر سنانا چاہتے ہیں جس میں اس نے کہا تھا:

تیری سپہ انس و جن تو ہے امیر جنود

صنائع فاق صانعها ففاقت
وغرس طاب غارسه فطابا
وكنا كالسهام اذا اصابت
مراميها فراميها اصابا

(کارنامے جن کو بنانے والے بڑے بلند و عالی مرتبہ تھے۔ وہ بڑے روشن ہیں، وہ پودا جس کا لگانے والا بڑا شریف، بڑا عالی استعداد تھا وہ پودا خوب کامیاب نکلا اور خوب برگ و بار لایا۔ ہم تو تیر تھے، جب تیر انداز نے کمان میں جوڑ کر ان تیروں کو چلایا تو وہ اپنے نشانے پر بیٹھے، تو تیروں کی تعریف ہے اور تیر انداز کی بھی تعریف ہے۔)

حضرات! میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی عظمت اور تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہئے۔ ہم مسلمان ہیں، ہم کو اس کا اقرار ہے، ہم اس ملک میں پورے اسلامی امتیازات اور مکمل اسلامی تشخصات کے ساتھ باقی رہیں گے یہ ہمارا فیصلہ ہے۔

بزرگو اور دوستو! ہجرت کا فلسفہ کیا ہے، ہجرت کا شرعی حکم کیوں ہے؟ اسی لئے کہ جس زمین پر احکام اسلام پر عمل نہ ہو سکے اس سرزمین کو چھوڑ دینا فرض ہے، ہم اس ملک میں اس حالت میں نہیں رہ سکتے کہ ہم اپنے تمام تشخصات و امتیازات سے دستبردار ہو جائیں اور اپنے مابہ الامتیاز عقائد کو چھوڑ دیں، اپنے عقیدۂ توحید و رسالت، ایمان بالآخرۃ سے دست کش ہو جائیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور آپ کی سنت پر چلنے کے جذبہ سے ہم خالی اور عاری ہو جائیں۔

ہم صاف اعلان کرتے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گذارنے

پر ہرگز راضی نہیں بن کو صرف راتب چاہیئے اور ان کو Self Security چاہیئے کہ ان کو کوئی مارے نہیں۔
ہم ہزار بار ایسی زندگی گذارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہم اس سرزمین پہ اپنی اذانوں اور نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ ہم تراویح اور اشراق وتہجد تک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ ہم ایک ایک سنت کو سینے سے لگا کر رہیں گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سامنے رکھ کر کسی ایک نقش بلکہ کسی نقطہ سے بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن۔ عزیزو اور دوستو! اس وقت جب کہ پورے ملک اور عالم اسلام کا جوہر اور دل و دماغ ایک جگہ جمع ہے اور یہاں ایسے لوگ جمع ہیں جن کا فتویٰ سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے۔
تو ان تمام حضرات کی موجودگی میں کہتا ہوں آپ یہاں سے عہد کرکے جائیں کہ ہم کو اس ملک میں مسلمان بن کر ہی رہنا ہے اور ہم کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔
میرے بھائیو! تم اپنی طاقت اور اپنی قوت سے آشنا ہو۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

آپ اپنے ساتھ تو انصاف کیجئے۔ مسئلہ ایک مدرسہ یا کسی جامعہ کا نہیں، نہ کسی مکتب خیال کا مسئلہ ہے۔ اور نہ کچھ منصوبوں اور عمارتوں کی تکمیل کا مسئلہ ہے۔ مسئلہ صرف علوم ایمانی کے باقی رکھنے اور اسلامی شخصیت کے تحفظ کا ہے۔ آج مسئلہ ہے اس ملک کی قیادت کا۔ آپ دوسروں کے پیچھے چلنے کے لئے ہرگز نہیں پیدا کئے گئے اور نہ خدا نے آپ کو اس ملک میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ دوسروں کے حاشیہ بردار ہوں اور آپ لوگوں کے اشاروں کو دیکھیں اور ان کے چشم و ابرو کو پہچاننے کی کوشش کریں کہ ملک کس رخ پہ جا رہا ہے۔ ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں، ہم تو دنیا کی قیادت و امامت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

حضرات! آج ملک خودکشی کے لئے قسم کھا چکا ہے، وہ آگ کی خندق میں گرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ بداخلاقی اور انسانیت کشی کی دلدل میں ڈوب رہا ہے، آپ ہی ہیں جو ہندوستان میں کیا پورے ایشیا میں اس ملک کو بچا سکتے ہیں، آپ اللہ و رسول کی بات کہئے آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نیلام کی منڈی میں اتر آئیں اور آپ سودا کرانے لگیں کہ ہماری بولی بولی جائے، آپ متاع نایاب ہیں اللہ کے سوا آپ کی خریداری کا کوئی حوصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں، کاش! میں آپ کے دلوں اور دماغوں پہ چوٹ لگا سکتا۔ میں صرف آپ سے کہتا ہوں کہ اس ملک کو صرف تنہا آپ بچا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے پاس عقیدۂ توحید اور انسانی

اصول و مساوات ہے، آپ کے پاس اجتماعی عدل کا مکمل نظام موجود ہے۔ آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں۔ آپ ہی ہیں جن کے پاس ایمان بالآخرۃ ہے اور جو العاقبۃ للمتقین پر یقین رکھتے ہیں، آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی نظر طاقت اور قوت پر رہا کرتی ہے، اور جن کی نگاہ میں مال و متاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے۔ اور نہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انتخابات میں کامیابی اور پارلیمنٹ تک پہنچ جانے ہی کو سب سے بڑی مراد سمجھتے ہیں۔

بزرگو اور دوستو! جو دولت کے فلسفہ پر ایمان رکھتا ہے اور ہر چڑھتے سورج کو پوجنے لگتا ہے وہ ڈوب کر رہے گا، اس کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ عرب ممالک اس سے بہتر حالت میں نہیں اور یہ میں آپ سے اردو میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں ان سے ڈرتا ہوں، میں نے ان سے بارہا کہا ہے:

"لا الفقر اخشیٰ علیکم ولکن اخشیٰ ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها فتهلککم کما اهلکتهم۔"

اس کو میں نے مکہ اور مدینہ میں کہا اور ہر جگہ میں نے یہی صدا لگائی کہ وہی بچ سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو شریعت کو دائمی سمجھتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین اور اسکی نصرت پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اگر ہندوستانی مسلمان اپنے اندر ایمانی خصائص پیدا کر لیں تو آج بھی آتش نمرود سرد پڑ سکتی ہے اور وہی انداز گلستان پیدا ہو سکتا ہے۔

میرے عزیز اور دوستو! میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور انکی روح کا یہی پیغام ہے، حضرت شیخ الہندؒ اسی میں جلتے اور جلتے رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ اپنے اپنے خاص طرز اور اسلوب سے اسی کے لئے ہمیشہ سوزاں اور لرزاں رہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں۔ قرآن و سنّت کو سینے سے لگائے رکھیں، اختلافی مسائل چھیڑنے کی بجائے توحید و سنّت پر زور دیں۔ دیوبند کا یہی پیغام ہے اور اسکی یہی خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے سرمایۂ ملت کو بچانے کی کوشش کی اور اختلافی مسائل کو عوام کے سامنے نہیں لائے۔

یہ دیوبند وارث ہے حضرت مجدد الف ثانی کا، اور اگر کوئی نہیں سمجھتا تو اس کو سمجھنا چاہئے۔ یہ میرا مقام نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کے وارث ہیں، حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مقتدر بزرگوں میں سے کسی کو بھی اس میں کلام نہیں کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ کا گلستان اور ان کا مکتب فکر ہے۔ جو دیوبند کی شکل میں اس وقت سامنے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں صحیح العقیدہ درسگاہیں ہیں۔

وہ شاہ ولی اللہؒ کی شمع فروزاں اور اسی کی تجلیات ہیں۔

حضرات! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے تئیں قائد کا مقام اختیار کیجئے۔ آپ سمجھئے کہ آپ کی حیثیت ملک میں قائد کی ہے میرے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمانوں کو یہ کرنا چاہئے کون یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کیا نبی عربی کے بعد کوئی اور پیغمبر پیدا ہوگا، کیا کتاب اللہ کے بعد اور کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوگی، کیا شریعت محمدیؐ کے بعد کوئی اور شریعت آئے گی۔ ہم سے کہنے والا صرف اللہ اس کا رسول ہے۔ ہمارا ساتھ دینے والی ہماری آسمانی کتاب اور سنت رسول ہے۔ آپ یہ عہد کرکے یہاں سے جائیے کہ آپ کو ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں رہنا ہے اور کتاب وسنت کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھنا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہنا ہے۔ اگر آپ ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں ہیں تو انشاءاللہ آپ عزت کے ساتھ سربلند اور سرخرو ہیں۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

حضرات! یہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء جن کو دستار فضیلت ملنے والی ہے۔ ان سے اس درسگاہ کی تین چار اہم خصوصیات کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔

- اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اختلافی مسائل کے بجائے توحید وسنت پر اپنی توجہ مرکوز کی (اور یہ وہ وراثت اور امانت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے وسیلے سے اس کو ملی اور ابھی تک اس کو عزیز ہے۔)
- اتباع سنت کا جذبہ اور فکر
- تعلق مع اللہ کی فکر اور ذکر وحضوری اور ایمان واحتساب کا جذبہ۔
- چوتھا عنصر ہے اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور کوشش۔

یہ چار عناصر مل جائیں تو دیوبندی بنتا ہے، اگر ان میں سے کوئی عنصر کم ہو جائے تو دیوبندیت ناقص ـــــ فضلائے دارالعلوم دیوبند کا یہ شعار رہا ہے اور وہ ان چار چیزوں کے جامع رہے ہیں۔

اب میں عام آدمیوں سے کہنا چاہتا ہوں اس میں آپ کا بھی حصہ ہے اور یہ صرف فضلاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ آپ بھی یہاں سے پیغام لے کر جائیے کہ عقیدۂ توحید کو سینے سے لگانا ہے اور آپ کے گرد جو شرک اور فتنہ کا دھارا بہہ رہا ہے اس سے الگ رہنا ہے، توحید پر آپ قائم رہیں۔ اتباع سنت اور فرائض کی پابندی کا جذبہ آپ کے اندر ہو اور تعلق مع اللہ کی کوشش کرتے رہیں، آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاکر و مذکور، محب ومحبوب اور عبد ومعبود کا ہونا چاہئے، یہی تعلق آپکے دل ودماغ اور آپ کے اعصاب پر حاوی ہونا چاہئے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

ضبط و ترتیب: مولانا نصیب علی شاہ بخاری
فاضل دارالعلوم حقانیہ

دارالعلوم دیوبند

جذبۂ اشاعتِ اسلام کا دوسرا نام ہے

صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کے اجتماع سے مولانا مفتی محمود کا خطاب

صدر اجلاس اور میرے محترم مسلمان بھائیو، بزرگو اور دوستو!

مجھے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ تقریبات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی جس کے لئے میرے دل میں مسرت کے جذبات موجزن ہیں۔ دارالعلوم سے ہماری عقیدت صرف اس خطہ اور زمین کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ دارالعلوم نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں علم و ہدایت کا نور پھیلایا۔ اگر آج یہ نور نہ ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ اس دنیا کی ہدایت کا بظاہر اور کوئی سبب نہیں تھا۔ اور اس لئے دارالعلوم کا پورے عالم اسلام پر احسان ہے۔ توحید کے عقیدہ، اتباعِ سنت اور اعتدال کے طریقے کو محفوظ رکھا۔ دارالعلوم ان حضرات و اکابر کا مرکز رہا جن کو آپ بھی جانتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شاہ کشمیریؒ، حضرت مدنیؒ اور کتنے بزرگ ہیں، کہ جنہوں نے یہاں پر اس ہدایت کے پھیلانے اور دین کی اشاعت میں عظیم خدمات سر انجام دیں، میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم دیواروں کا نام نہیں بلکہ دارالعلوم ایک تحریک ہے ایک مکتبِ فکر ہے اور حقیقت میں اشاعتِ اسلام کا جذبہ ہے اور اس جذبہ کا نام دارالعلوم ہے۔ دارالعلوم کے بہت سے فرزندانِ پاکستان میں بستے ہیں، بنگلہ دیش میں ہیں، اور اس کے برکات تین بڑے حصوں میں تقسیم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی ایک بڑی تعداد حاضر ہے۔ اور بہت بڑی تعداد وہ ہے جو حالات اور قانونی رکاوٹ کے باعث حاضر نہ ہو سکی۔

میں اس جذبہ اور انتظام پر دارالعلوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور گذارش ہے کہ اس طرح کے دو اجتماعات اور بھی ہوں، ایک پاکستان میں ہو اور ایک بنگلہ دیش میں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ صرف اس موجودہ تعداد سے پاکستان کی نمائندگی ہو سکتی ہے، بلکہ پاکستان میں ایک عظیم اجتماع منعقد ہونا چاہئے بلکہ وہ اجتماع اس سے عظیم ہوگا، اگر آپ ہماری سرپرستی کریں تو ہم تیار ہیں۔

میرے محترم دوستو! ان اکابر اور حضرت قاری صاحب کی خدمت میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ۳۲ سال سے پاکستانی فضلاء دارالعلوم کے فیض سے محروم ہیں تقسیم کے بعد حسب ضرورت وہاں بڑے مدارس قائم ہوئے فوقانی مدارس جس میں پورا نصاب ہے اور ہم نے وفاق المدارس العربیہ بنایا۔ میں اس کا صدر بھی ہوں۔ اس میں ۳۵۰ مدارس کا الحاق ہو چکا ہے۔ اس میں فوقانی امتحان وفاق کے زیر اہتمام لیا جاتا ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق ۳۲ سال میں تقریباً پندرہ ہزار فضلاء تیار ہو چکے ہیں۔ یہ فضلاء جوان مدارس سے فارغ ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ہمیں بھی تحویل میں لیا جائے۔ میری تجویز ہے کہ اس مکتب فکر کی طرف سے ایک سند چھاپی جائے۔ مکتبہ فکر اُم المدارس کی طرف سے یہ اعزازی سند ہو۔ پاکستان میں جو پندرہ ہزار فضلاء موجود ہیں اور دارالعلوم میں آنے سے معذور ہیں ان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اگر وہاں بھی دستار بندی ہو جائے تو پاکستان میں فضلاء باطل فرقوں کو ختم کریں گے۔ وہاں کے مدارس، اساتذہ اور منتظمین سے آپ واقف ہیں۔ ان کی بھی حوصلہ افزائی ہو جائے گی۔

میرے بزرگو! مولانا علی میاں ندوی صاحب نے اردو اور ملخص عربی میں جو تقریر کی اور دیوبندی ہونے کے لئے جو عناصر اربعہ:

۱۔ عقیدہ توحید میں بے آمیز
۲۔ اقتدائے سنت کا جذبہ و فکر
۳۔ تعلق مع اللہ اور ذکر و فکر آخرت، ایمان واحتساب،
۴۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کوشش

پیش کئے ہیں، میں مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے صحیح تجزیہ پیش کیا ہے۔ آپ لوگوں سے اپیل ہے کہ آپ اعتدال کو پھیلائیں، اختلافات سے اجتناب کریں۔ میں پاکستان بننے کے بعد پہلی مرتبہ آیا۔ میں پہلے ۱۹۴۵ء میں آیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان مضبوط مسلمان ہیں۔ ان کے دلوں میں اسلامی جذبہ موجزن ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے اسلامی تشخص کو برقرار رکھا ہے۔ اب آپ مسلمانی کے لئے جدوجہد جاری رکھ کر اسلامی امتیاز برقرار رکھ کر مسلمان قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ میں آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ اچھا مسلمان محسوس کرتا ہوں۔ میں انہی الفاظ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

آنکھوں دیکھا حال

مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام
دارالعلوم حقانیہ

صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند
اور
حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی رسم دستار بندی

★

آج ۲۲ مارچ اور ہفتہ کا دن ہے۔ برصغیر کی تاریخ کا یہ فقید المثال اجتماع حاضرین کے لحاظ سے پورے عروج پر ہے۔ اور اس لحاظ سے مجمع انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ کل بعد از جمعہ افتتاحی نشست تھی اور بعد از عشاء دوسری نشست میں زیادہ تر حصہ عالم عرب کے مشاہیر علماء اور زعماء کی تقاریر کا تھا۔ وسیع و عریض پنڈال کی وسعتوں کو نگاہیں سمیٹ نہیں سکتیں اور آنکھوں کے کیمرے بھی حاضرین کا احاطہ کرنے سے عاجز و درماندہ ہیں۔ آج کی نشست میں پہلی تقریر عالم اسلام کے متاع گرانمایہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ہوئی جو اپنی تقریر میں ملت مسلمہ ہندیہ کو نیا پیغام، نئی زندگی اور نیا ولولہ دے گئے اور اس پیغام نے "حاصل اجلاس" یا پیغام دیوبند کی حیثیت حاصل کر لی۔ کچھ حصہ ان کے خطاب کا عربی زبان میں بھی تھا کہ عالم عرب کے بے شمار سامعین و شرکاء جلسہ بھی ان انمول تحفۃ الہند سے دل و دماغ منور کر سکیں۔

ان کے خطاب کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی تقریر ہوئی جنہیں اپنی علمی اور سیاسی بھاری بھرکم شخصیت اور خداداد وجاہت کی وجہ سے قدرتی طور پر پاکستان سے شریک ہونے والے کم و بیش ۵ ہزار زائرین و شرکاء جلسہ کی زعامت و قیادت کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کی تقریر بھی مختصر مگر جامع اور مؤثر رہی کچھ دو ایک مزید عربی تقاریر بھی ہوئیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار نے ٹک پر آکر اعلان کیا کہ اس نشست کا یہ حصہ دستار بندی کے لئے تھا۔ مگر چونکہ وقت کم ہے اس لئے اب بعض نہایت اہم اکابر کی دستار بندی پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ چونکہ بعض اہم شخصیتوں کی تقاریر کی وجہ سے وقت کم رہ گیا ہے جس میں خاصی تعداد میں دستار بندی مشکل ہے جبکہ اب تک کے کل فضلاء کی تعداد ساڑھے گیارہ ہزار کے لگ بھگ ہے جنکی دستار بندی فرداً فرداً رسم کے مطابق اگرچہ ہونی چاہئے تھی مگر یہ ناممکن

ہے. تاہم ہم اس نشست میں دو چار اہم شخصیتوں کی دستار بندی کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہیں جنہوں نے پاکستان میں ایک اہم مرکزی دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کیا جو پاکستان میں سب سے بڑا مدرسہ ہے اور جنہوں نے. فراغت کے بعد تقسیم سے پہلے قیام پاکستان تک یہاں دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا اسی طرح حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی مدظلہ اور دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث جو آجکل اگرچہ درس نہیں دے سکتے معذور ہیں مگر شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں کی دستار بندی بھی ہوگی. باقی حضرات فضلاء کو کل یعنی ۲۳ مارچ کو جلسہ کے اختتام کے بعد دارالحدیث کے ہال میں دستار فضیلت دی جائیں گی۔

اس کے بعد دستار بندی شروع ہوئی سب سے پہلے خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی رسم دستار بندی ادا ہوئی جن کی مسلسل طویل اور انتھک خدمات کے دور میں دارالعلوم دیوبند نے ایک مدرسہ سے عالمی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس کے بعد جانشین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ صدر جمعیۃ العلماء ہند کی دستار بندی کا اعلان ہوا. فضلاء دارالعلوم کی کل تعداد میں حضرۃ شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کے تلامذہ اور ان سے سند حدیث لینے والوں کی تعداد دو تہائی سے کم نہ ہوگی ویسے بھی لاکھوں کروڑوں مسلمان حضرت قدس سرہ کے گرویدہ اور نام لیوا ہیں۔ آج یہ لوگ اپنے شیخ. استاد اور مرشد کے جانشین اور یادگار کی اس پرمسرت اور بابرکت رسم دستار بندی کا منظر دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے. اجتماع میں ہلچل مچ گئی لوگ فرط جذبات سے بے قابو ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ نے مائک پر آکر فرمایا کہ یہاں سب اکابر علم و فضل ہیں مگر اس وقت میرے دو اساتذہ موجود ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ (ایک اور بزرگ کا نام لیا جو غالباً دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث ہیں. مگر نام سنا نہیں گیا۔) اور میری دلی خواہش ہے کہ ان حضرات اساتذہ سے میری دستار بندی کرائی جائے. اس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ سٹیج کے شمالی کونے میں پہلی صف میں صوفے پر تشریف فرما تھے. حضرت مولانا اسعد صاحب مدظلہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں سہارا دیئے ہوئے مائک تک لے آئے۔ یہ منظر عجیب فرحت انگیز اور رقت آمیز تھا۔ مخدوم زادۂ عالم اور ہندوستانی مسلمانوں کے زعیم کی اپنے استاذ سے متواضعانہ اور مخلصانہ عقیدت قابل دید تھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اکابر اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ کی دستار بندی فرمائی۔

اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مائک پر آکر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی دستار بندی کا اعلان فرمایا اور حضرت کے بارہ میں تحسین و محبت کے زور دار کلمات سے ان کا تعارف کیا اور فرمایا حضرت مولانا دامت برکاتہم دارالعلوم دیوبند کے جید علماء میں سے ہیں جنہوں نے فراغت کے بعد عرصہ تک

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور تقسیم ہند کے بعد بادلِ نخواستہ حضرت مولانا کو یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا اور تقسیم کے بعد ایک دینی ادارہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کر رکھا ہے اور حضرت مولانا وہاں خود کئی ہزار فضلاء کو دستارِ فضیلت عنایت کر چکے ہیں مگر ان کی دستار بندی بھی نہیں ہوئی تھی اور اب بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ہم ان کی خدمت میں دستارِ فضیلت پیش کر رہے ہیں۔ حضرت مدظلہ اس وقت مائک کے قریب تشریف فرما تھے۔ مائک پر آنے کے بعد ان کی دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کے بعد حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ نے دو چار منٹ تک مختصر کلمات بھی ارشاد فرمائے۔ فرمایا کہ:

"یہ سب ان اکابر کی برکت اور دارالعلوم کا فیض ہے۔ ہم میں اسکی ہرگز اہلیت نہیں پورے برصغیر میں دین کی اشاعت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن صاحبؒ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت قاری صاحب مدظلہ اور ان کے اکابر کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ ان اکابر دارالعلوم کی کوششوں سے ملک آزاد ہوا اور دارالعلوم برصغیر میں اسلامی بقاء اور اشاعت کا ذریعہ بنا۔ دارالعلوم دیوبند کو رب العزت مزید ترقیوں سے نوازے۔"

اس موقعہ پر ایک اور برگزیدہ بزرگ کی دستار بندی بھی کی گئی جن کا نام سمجھنے میں نہیں آیا مگر کسی نے کہا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے خلیفۂ اجل مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ تھے اور کسی نے کہا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے پوتے حضرت مولانا مفتی محمود احمد گنگوہی دامت برکاتہم تھے۔ اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مائک پر آ کر کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان حضرات کی خواہش ہے کہ اس نشست میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ کی دستار بندی بھی کر دی جائے۔ چنانچہ ان کی دستار بندی بھی اس موقعہ پر کر دی گئی۔

اجلاس کی آخری نشست ۲۳ مارچ میں بھی اختتام سے قبل بعض اکابر مدرسین دارالعلوم دیوبند اور کچھ حضرات کی دستار بندی ہوئی جس میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ مولانا منت اللہ رحمانی مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی شاہ صبغۃ اللہ بختیاری، مولانا بدر الحسن ایڈیٹر عربی جریدہ الداعی مولانا محمد اسلم قاسمی ناظم اجلاس وغیرہ کے نام یاد پڑتے ہیں۔

=
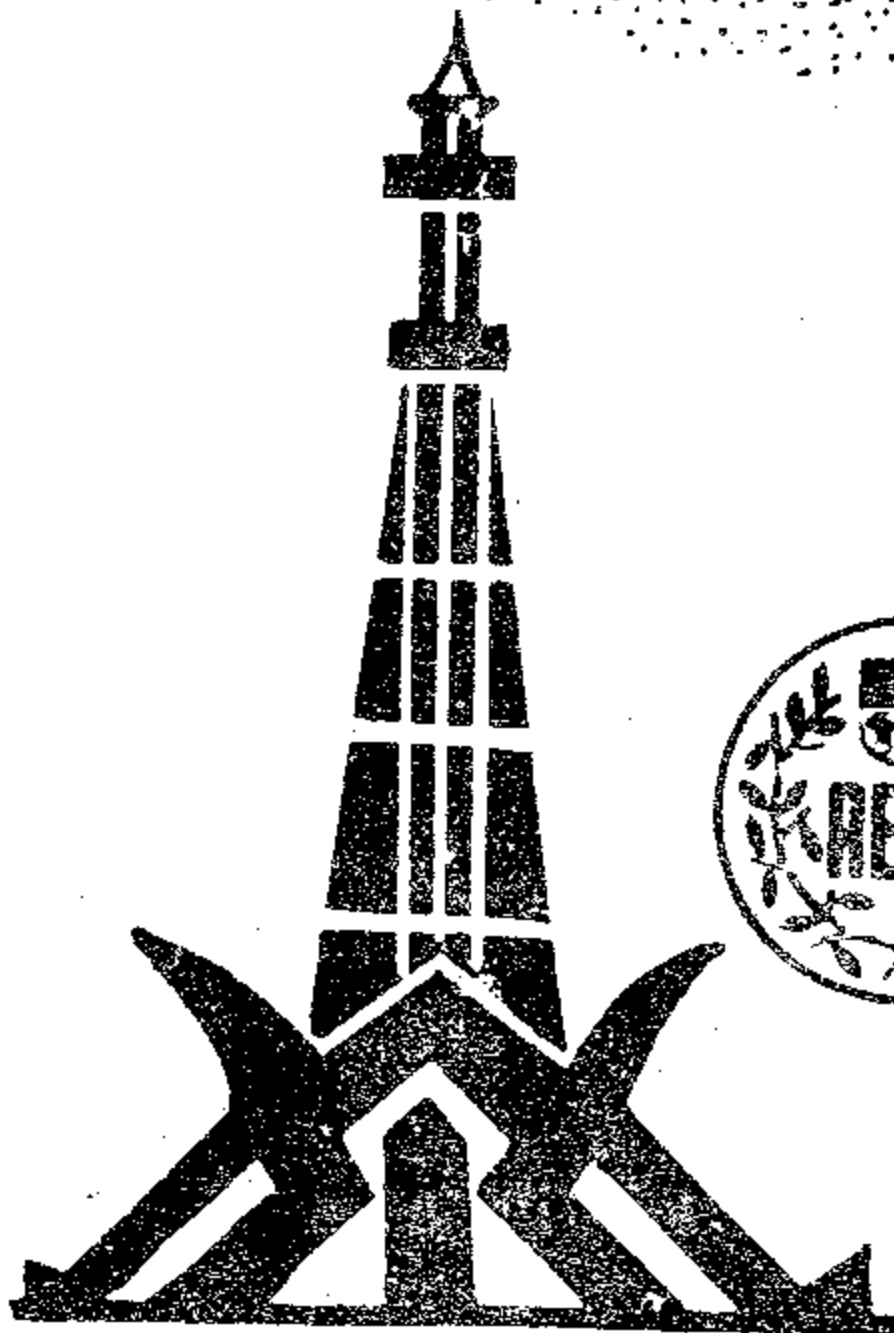
اخوندزادہ عبدالقیوم فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
صدر مدرس و مفتی اظہار الاسلام چکوال

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور علم حدیث

ایک وسیع علمی جائزہ اور مستحکم شواہد

سیدنا امام الائمہ، سراج الامۃ سید الفقہاء، محدث کبیر، حافظ حدیث امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے اوصاف مخصوصہ علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت اور فہم و فراست کی طرح آپ کی شان محدثیت، حدیث دانی اور حدیث فہمی بھی تمام اہل ایمان میں مسلّم اور ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

تعصّب کی بدترین مثال | مگر دنیا میں علمی طور پر تعصّب اور تعنّت کی اس سے بدترین مثال شاید ہی کوئی اور ہو کہ بعض ناعاقبت اندیش افراد سراج الائمہ امام ابوحنیفہؒ (جو صرف محدّث ہی نہیں بلکہ اکابرین ملّت کے بیان کے تحت "من ائمۃ الحدیث" اور بعض کے قول کے مناسب "من کبار المجتهدین فی الحدیث" اور بعض کے نزدیک "من ائمۃ الحدیث والفقہ") اور ان کے اصحاب کے خلاف عرصۂ دراز سے متعفّن اکاذیب کو جدید سانچہ میں ڈال کر خلاف واقعہ اور بے بنیاد الزامات قائم کر کے ان کی اشاعت و تبلیغ اور اس مبارک فریضۂ منصبی کی ادائیگی کیلئے متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ اس حقیقت کے قطعاً خلاف نہیں کہ جو شخصیت جس قدر باکمال اور مقبول عند اللہ ہوتی ہے۔ اسی تناسب سے اس کے حاسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔

ابن تیمیہؒ شارح بخاری نے امام ابوحنیفہ پر امام بخاری کے اعتراض کے سلسلہ میں بالکل درست فرمایا ہے کہ "لایرمی شجرٌ الا ذو ثمرٍ" خود امام صاحبؒ کی زندگی میں جب حاسدوں کی طرف سے آپ کو کوئی رنج پہنچتا تو فرماتے۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمهم — قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا
فدام لی ولهم مابی ومابهم — ومات اکثرنا غیظاً بما یجدوا

امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات | مخالفین کے جملہ اعتراضات کا مرجع اور خلاصہ تین امور ہیں۔

۱۔ قلّت حدیث کا الزام۔ بعض اہل ہوا، کوتاہ بین اور بے بصیرت افراد امام ابوحنیفہ سے حسد اور بغض و عداوت،

ان کے مدارک علیہ سے جہالت اور ناواقفیت کی بنا پر تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ابوحنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں
۲۔ فقہ اور رائے کی طرف ان کا انتساب۔
۳۔ قیاس ورائے کو حدیث پر ترجیح دینا۔

اولاً ہم نہایت اختصار کے ساتھ اعتراض اوّل کی رو سے میں علم حدیث اور فنِ روایت و درایت میں امام اعظم امام ابوحنیفہ کا رتبہ بلند مقام، آپ کی شانِ محدثیت، حدیث دانی اور حدیث فہمی بٹھوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

ابن حجر مکیؒ کا اعلان علم حدیث میں امام اعظم کی کمال دسترس پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہوسکتی ہے۔ کہ اُن کا بیان فرمودہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنتِ رسولؐ کے مطابق ہے۔ آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ فلاں مسئلہ حکم حدیث کے خلاف تھا۔ علامہ ابن حجر مکیؒ دعوٰی سے کہتے ہیں: "امام صاحب نے کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاشبہ اشارۂ مناصی کے دعوت نہیں دی۔"

(از مقدمۂ اوجز المسالک وخیرات الحسان)

یقیناً اتنے بڑے کام اور اس قدر بلند مقام کے لائق ایسی ہی شخصیت ہوسکتی ہے جسے منشاءِ رسالت معلوم کرکے روایات میں تطبیق اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت وضعف اور دیگر اصولِ درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرنے پر عبورِ تام حاصل ہو۔ منشاءِ وحی اور مزاجِ رسالت کو پہچانتا ہو۔ روایات کے تمام طرق پر حاوی درایت کے کامل اصولوں پر محیط اور راویوں کے تمام حالات پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

ایک علمی جائزہ اور ضروری تجزیہ امام عالی مقام کی علمی خوبیوں، علم حدیث میں فضل وتفوّق اور مرتبۂ علیا، فنِ روایت و درایت میں مہارت اور عظمت وامامت، علم فقہ میں فضل وتقدم، فوق العادۃ علم وبصیرت، فہم وفراست حزام واحتیاط، اخلاص ومحبت اور جلالت شان معلوم کرنے کیلئے آپ کی درسگاہ، نصاب تعلیم، شیوخ واساتذہ جلیل القدر تلامذہ اور امت مسلمہ کی شہادت کا ایک علمی جائزہ اور ضروری تجزیہ ایک ناگزیر حقیقت ہے۔

امام صاحب کی درسگاہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کی درسگاہ "کوفہ" تھی جس کے سرپرست حضرت علیؓ اور صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اہل کوفہ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے سے پیشتر بھی علم حدیث رکھتے تھے۔ (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۳۹)

اہل کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت حذیفہ، حضرت عمار حضرت ابوموسیٰ الاشعری جن کو عمر فاروقؓ نے کوفہ بھیجا تھا سے دین وعلم اور حدیثِ رسولؐ حاصل کرچکے تھے۔

(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۳۹)

اہلِ کوفہ نے کون کون سے علوم حاصل کئے ؟ صاحب منہاج السنۃ لکھتے ہیں :

فان اهل الكوفة التي كانت داره كانوا قد تعلموا الايمان والقرآن وتفسيره والفقه والسنة عن ابن مسعود وغيره قبل ان يقدم على الكوفه ۔ (منهاج السنة ج ۴ ص ۱۴۳)	اہلِ کوفہ نے جو حضرت علی کا دارالخلافہ تھا حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ، سنت کا علم حضرت علی کی کوفہ تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

اس لئے تو شارحِ مسلم شیخ الاسلام امام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :

وهی دار الفضل ومحل الفضلاء (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۵)	کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

...

سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں :

خذ والحلال والحرام عن اهل الكوفه ۔ (معجم البلدان یاقوت حموی لفظ کوفہ)	حرام اور حلال کے مسائل اہلِ کوفہ سے حاصل کرو۔

صرف یہ نہیں بلکہ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ :

"ستر بدری صحابہؓ اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴ طبع مصر)

حضرت قتادہ سے روایت ہے :

نزل الكوفة الف وخمسون رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعة وعشرون من اهل بدر (فتح القدیر جلد ۱ ص ۴۲)	آنحضرتؐ کے صحابہؓ میں سے ایک ہزار اور پچاس صحابہؓ اور ۲۴ بدری صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔

کوفہ اور علمِ حدیث | کوفہ علمِ حدیث کا بھی اچھا خاصا مرکز تھا۔ محمد بن سیرین (المتوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں :

قدمت الكوفة وبها اربعة الاف يطلبون الحديث ۔ (تدریب الراوی ص ۲۷۵)	میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبۂ حدیث موجود تھے۔

...

...

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) طلبِ حدیث کے سلسلہ میں کوفہ اور بغداد

میں بار بار حاضر ہوتے رہے ۔ خود فرماتے ہیں :

لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین ۔	میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ و بغداد میں کتنی مرتبہ گیا ۔

(مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۴۷۹)

...

جہاں ایک ہزار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ورود مسعود ہوا ہو جہاں ایک ہی وقت میں چار ہزار طالب علم ہوں جہاں سے امام بخاریؒ اپنی علمی پیاس بجھاتے ہوں ۔ کس قدر ظلم اور ناانصافی کی بات ہے کہ وہاں کے اکابر ، مشائخ ، اساتذہ اور مدرسین و مستفیدین کے خلاف صرف امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے متبعین کی عداوت کے پردہ میں خاص توت صرف کرکے یہ مہم چلائی جائے کہ اہل کوفہ کو حدیث کا علم ہی نہ تھا ۔

جابر جعفی | یہ بھی کوئی انصاف کی نظر ہے کہ کوفہ کے سینکڑوں محدثین سے تو آنکھیں چندھیا جائیں اور صرف جابر جعفی کذاب پر جم جائیں ۔ کس قدر نڈر ہیں جو کہتے ہیں " اگر شمع نہ ہوتی تو سورج کی روشنی بھی نہ ہوتی " اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ والے علم حدیث ہی سے تہی دست ہوتے ۔

بوالعجبی اور وہ بھی اس حد تک کہ دنیا کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایۂ حیات ہی " جابر جعفی " ہیں ۔ اناللہ ...

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو ۔ | مگر یہ خیال بھی کرنا چاہئے کہ کہیں مسئلہ رفع یدین آمین بالجہر اور فوق الصدر وغیرہ میں سفیان ثوری اور ایسے ہی دیگر محدثین کوفی نہ ہوں ۔ اگر کوفی ہونا جرم ہے اور اہل کوفہ علم حدیث سے عاری ہیں تو پھر امام یحییٰ بن سعید القطان ، امام یحییٰ بن معین ، امام عبداللہ بن مبارک ، امام وکیع بن الجراح ، امام لیث بن سعد اور امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ سب کی نقلِ روایت کا انکار لازم آتا ہے اور کسی کی نقل بھی صحیح نہیں قرار دی جاسکتی ۔

کیا کوئی جواب بن پڑے گا ، جب پوچھا جائے کہ ان بزرگوں کی نقل بھی صحیح نہیں تو پھر محدثین میں نقل کس کی صحیح ہے ۔ ع

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو ۔

محدثین کوفہ کا بلند علمی مقام | اسماء الرجال کی کتب ، تاریخ خطیب ، طبقات سبکی ، تذکرۃ الحفاظ ، معرفۃ علوم الحدیث ، تہذیب التہذیب ، اور البدایہ والنہایہ میں کوفہ کے محدثین کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز ہے ۔ صرف تذکرۃ الحفاظ جلد اول ہی کو لے لیجئے جس میں علامہ ذہبی نے " الکوفی " یا " نزیل الکوفہ " کے لقب سے ۲۵۶ھ تک کے ۹۷ محدثین کا تذکرہ کیا ہے جو حفاظ حدیث ہیں اور جن کے نام کے ساتھ " القدوۃ " " الامام المحدث " اور بعض کے نام کے ساتھ " الحافظ " " الحجہ " " الثقۃ " اور کسی کے نام کے ساتھ " شیخ الاسلام "

"محدث الکوفہ" جیسے توصیفی کلمات لگاکر اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے جن میں امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابویوسف کا تذکرہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ کے محدثین اور ان کے بلند علمی مقام سے متاثر ہوکر علامہ ترمذی نے بھی اکثر جگہ اہل کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔

کوفہ ابوحنیفہ کا مولد ہے۔ یہی کوفہ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مولد اور اولین درسگاہ ہے۔ جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر واشاعت ہوئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی صحابیؓ اور تابعی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات اور کسب فیض نہ کیا ہو۔ علامہ خوارزمیؒ فرماتے ہیں:

اتفق العلماء علی انہ روی عن	علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	نے صحابہؓ سے روایات نقل کی ہیں لیکن اسکی
لکنھم اختلفوا فی عددھم۔	تعداد میں اختلاف ہے

(تنسیق النظام ص)

عبداللہ بن مبارک اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

کفی نعمان فخراً ما رواہ   من الاخبار عن عشر اصحابہ

صحابہؓ سے شرف روایت یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔ مگر جانتے ہوئے بھی نہ ماننے والوں کو کس طرح منوایا جائے۔ جب ان کی نگاہوں میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلم شرف تابعیت بھی کوئی وقعت نہ رکھتا ہو۔

تابعی کی تعریف حالانکہ امام صاحب کی تابعیت قطعی اور یقینی ہے۔ صاحب "نخبۃ الفکر" لکھتے ہیں:

التابعی ھو من لقی الصحابی۔   تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو۔

حافظ ابن حجر مکیؒ نے اس تعریف کو اکثر محدثین کا مسلک قرار دیا ہے۔ (خیرات الحسان)

شیخ ابوالحسنؒ نے حافظ ابن حجر کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

"یہی تعریف معتبر ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس جانب اشارہ کیا ہے:
" طوبیٰ لمن رانی وامن بی طوبیٰ لمن رای من رانی۔" میں کہتا ہوں اس حدیث کی رو سے امام ابوحنیفہؒ تابعین کے رشتہ سے منسلک ہیں۔ (اس کے بعد فرماتے ہیں۔) جن لوگوں نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا انکار کیا ہے وہ متعصب اور کم فہم ہیں۔" (نزہۃ الخواطر)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ادرک الامام ابی حنیفہ جماعۃ من الصحابہ   امام صاحب نے صحابہؓ کی ایک جماعت

لانہ ولد بالکوفہ سنۃ ثمانین من الھجرۃ وبھا یومئذ من الصحابہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ فانہ مات بعد ذلک بالاتفاق۔ وبالبصرۃ یومئذ انس بن مالک ومات سنۃ تسعین فھو بھذا الاعتبار من التابعین۔

(تنسیق النظام ص۱)

سے ملاقات کی ہے اور اس وقت کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ موجود تھے۔ اس لئے کہ بالاتفاق ان کا انتقال ۸۰ھ کے بعد ہوا ہے اور بصرہ میں اس وقت حضرت انسؓ موجود تھے اور ان کا انتقال ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے۔ اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں۔

...

بلکہ علامہ ابن حجر مکیؒ تو شرح مشکوٰۃ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ادرک الامام الاعظم ثمانیۃ من الصحابہ (تنسیق النظام ص۱)

امام صاحب نے آٹھ صحابہؓ سے ملاقات کی ہے۔

حافظ المزی صاحب کو سنئے۔ فرماتے ہیں:

"امام صاحب کی ملاقات ۲۰ صحابہؓ سے ہوئی ہے۔ (معجم المصنفین ص۲۳ جلد۲)

غرضیکہ ائمہ فن خطیب بغدادی، ابن جوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی، ابن حجر اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ حضرات امام صاحبؒ کی تابعیت پر متفق ہیں۔ (او ستحۃ الجید ص۴۵)

امام ابو حنیفہؒ کی صحابہؓ سے مرویات ثابت ہیں۔

امام صاحبؒ کیلئے تابعیت یقیناً بہت بڑا شرف ہے۔ نہ ماننے والوں نے جان کر بھی نہ مانا۔ بھلا ضد کا بھی کوئی علاج ہے۔؟ جن کے دل کدورت سے پاک ہیں انہوں نے جانتے ہی مان لیا۔ یہاں تک مانا کہ امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد شافعی نے تو امام اعظمؒ کی صحابہؓ سے مرویات کو بھی ایک مستقل رسالہ میں لکھ دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ان تمام روایات کو اپنے ایک رسالہ "تبییض الصحیفہ" میں جمع کیا ہے۔

شبلی نعمانی سے بھی غلطی ہو گئی۔

تعجب ہے مشہور عالم دین اور صاحب قلم علامہ مولانا شبلی نعمانی جیسے تاریخ دان بھی امام صاحبؒ کی روایت صحابہؓ پر بڑے کھلے انداز سے نکیر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں ------ صاف بات یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہؓ سے ایک روایت بھی کی ہوتی تو سب سے پہلے امام صاحب کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد، عبداللہ بن مبارک

ابونعیم وغیرہ کہ امام صاحب سے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو انہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں۔ ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔
(ملخصاً از سیرت النعمان ص۳۴)

ذیل کے چند مستند حوالہ جات کی روشنی میں یہ فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ شبلی نعمانی کی تحقیق اور دعویٰ کی حقیقت کیا ہے :

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ "تبییض الصحیفہ" کے ص۶ سے ص۹ تک تین روایات قاضی ابویوسف (جو ابوحنیفہؒ کے مشہور تلامذہ اور قابل فخر شاگردوں میں سے ہیں اور علامہ شبلی کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں۔) سے اس طرح نقل کرتے ہیں۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ	امام ابویوسف۔ امام ابوحنیفہؒ سے روایت
سمعت انس بن مالک یقول	کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
وسلم۔ الخ	سنا۔

۲۔ ملا علی قاری علامہ کردری کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

واصحابہ اثبتوہ بالاسانید الصحاح	اور ان کے شاگردوں نے اس بات
الحسان وھم اعرف باحوالہ منھم والمثبت	(صحابہؓ سے روایت امام) کو صحیح اور حسن
العدل اولی من النافی۔	سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور
(شرح مسند الامام القاری ص۲۹۵)	ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

مشہور محدث شیخ محمد طاہر سندی، کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

واصحابہ یقولون انہ لقی جماعۃ	امام اعظم کے تلامذہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ
من الصحابہ وروی عنھم۔	نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات کی
(المغنی ص۸۰)	ہے اور ان سے سماع بھی کیا ہے۔

اس قدر واضح تاریخی حقائق کے بعد کوئی صاحب عقل وبصیرت بھی اس بدیہی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام اعظم کی صحابہؓ سے روایت نقل کرنے والے نیز اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔

امام صاحب کے شیوخ و اساتذہ | امام صاحب کے اساتذہ و تلامذہ کی تعداد دیگر ائمہ کرام کے اساتذہ و تلامذہ سے زیادہ ہے۔ اساتذہ میں سب سے پہلے حماد کا نام آتا ہے۔ (جو کوفہ کے مشہور امام اور استاد فقہ

تھے حضرت انسؓ اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہ کا مدار آپ ہی تھے حماد کی خدمت میں امام ابو حنیفہؒ نے ۱۸ برس گزارے۔ امام صاحب کو حماد کی صحبت، ان کی فقہی بصیرت اور عمر کی پختگی نے یہ بات ذہن میں پختہ کرا دی کہ فقہ کی مجتہدانہ تحقیق، احادیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے امام صاحب نے حد درجہ سعی و اہتمام کے ساتھ حدیث کی تحصیل و تکمیل کیطرف توجہ دی اور تقریباً کوفہ (جس کو فاروق اعظمؓ رضی اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب یعنی خدا کا علم، ایمان کا خزانہ اور عرب کا سر، راس الاسلام اور راس العرب کہا کرتے تھے۔) میں کوئی ایسا محدث باقی نہ رہا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو، آپ کے مشائخ و اساتذہ کا استقصاء تو دشوار اور ناممکن ہے، تاہم صحابہ کرامؓ میں سے انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور دیگر شیوخ حدیث میں سے ۹۳ (جن میں اکثر تابعی تھے) خاص کوفہ کے رہنے والے تھے پھر شیوخ کوفہ میں بھی خاص کر امام شعبی، سلمہ بن کہیل، ابو اسحٰق سبیعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، عمرو بن مرہ، منصور بن المعتمر اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطاء بن السائب، موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرثد جو بہت بڑے محدث اور سند روایت کے مرجع عام تھے زیادہ مشہور ہیں۔ (سیرت النعمان)

امام صاحب کی تحصیل حدیث کی دوسری بڑی درسگاہ "بصرہ" تھی جو حسن بصری، شعبہ اور قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھی۔ آپ نے تکمیل حدیث کیلئے علوم مذہبی کے اصل مرکز حرمین شریفین کا سفر بھی کیا۔ مکہ معظمہ میں، عطاء بن ابی رباح اور ابن عباس کے غلام و شاگرد عکرمہ کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔

علامہ ذہبی نے دو سو نوے ۲۹۰ اور علامہ شامی نے درمختار میں آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے ایک مرتبہ احناف اور شوافع میں مناظرہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے ہم اساتذہ شمار میں آئے اور امام صاحب کے چار ہزار (حدائق الحنفیہ ص۲۷)

آپ کے شیوخ اور مایہ ناز محدثین اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ لہذا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس قدر اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اہل بصیرت کے ہاں آپ کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

دیانت داری کا خون "علی العموم ایک غلط فہمی اور مغالطہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں "عبدالکریم" ضعیف ہیں، جبکہ عبدالکریم دو ہیں، دوسرے کا نام عبدالکریم الجزری ہے اور اتفاق سے دونوں بعض مشائخ میں شریک ہیں جبکہ امام بخاری کے شیخ عبدالکریم بن ابی المخارق کے مرویات بخاری میں تعلیقاً موجود ہیں۔ اسی طرح ان کے روایات موطا امام مالک میں بھی موجود ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مالکؒ کے اختیار کے بعد

عبدالکریم بن ابی المخارق کو ضعیف قرار دینا دیانتداری کا خون ہے۔

فقہ اور حدیث | مجلس فقہ اور حدیث میں کچھ زیادہ مغائرت نہیں بلکہ تنہا فقہ کا درس تمام چیزوں کا جامع ہے۔ فقہ کیلئے حدیث کی اہمیت ایک مسلم امر ہے۔ کیونکہ مجتہد جب الفاظ حدیث پر بحث کرتا ہے تو اس کے ہاں معنیٰ حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ محدثین کے ہاں صرف الفاظ حدیث ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں ایک محدث کیلئے اجتہاد و فقہ شرط نہیں جبکہ ایک فقیہ کیلئے قرآن و حدیث پر عبور تام ضروری ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:۔

ان یکون صاحب حدیث له معرفة	مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ
بالفقه لیعرف معانی الآثار وصاحب	بھی آتا ہو احادیث کا معنیٰ جان سکے اور
فقه له معرفة بالحدیث لئلا	صاحب فقہ کیلئے معرفت حدیث ضروری
یشتغل بالحدیث۔ (ہدایہ کتاب القاضی)	ہے تاکہ قیاس میں مبتلا نہ ہو۔

ایک فقیہ تمام نصوص سامنے رکھتا ہے اور حوادثات کی نزاکتوں پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے۔ تاکہ حدود شریعت میں ذرہ برابر بھی بال نہ آنے پائے۔ فقہ سے حدیث کا تعلق اور اسکی اہمیت کے پیش نظر امام ترمذیؒ نے اپنے جامع میں بیان فرمایا ہے:

وکذالک قال الفقهاء وهم	فقہاء نے یوں ہی فرمایا ہے کہ وہ ہی حدیث
اعلم بمعنی الحدیث۔	کے معنیٰ زیادہ جانتے ہیں۔

(ترمذی)

ایک مرتبہ کسی سائل کا جواب نہ دے سکنے کی بنا پر محدث اعمشؒ امام ابوحنیفہؒ سے طالب جواب ہوئے جب امام صاحبؒ نے درست جواب دیا تو اعمشؒ نے پوچھا کہاں سے کہتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی اس پر اعمشؒ نے فرمایا:

نحن الصیادلة وانتم الاطباء۔	ہم عطار ہیں اور آپ اطباء ہیں۔

اہل عقل و بصیرت اور کچھ بھی دینی شعور رکھنے والے تمام مسلمانوں کے نزدیک بھی فقہ بغیر حدیث کے اور محدث بغیر حدیث دانی کے ایک ناممکن العمل امر اور خلاف واقعات ہے جس کو تسلیم کرنا عقل کا فتور اور روحانی مرض کی واضح دلیل ہے۔

فقہ حنفی صحیح حدیث کے موافق ہے۔ | اسی سلسلہ کے متاخرین علماء میں مسلم اور مایۂ ناز شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

بریں فقیر ظاہر ساختہ اندکہ در خلافیاتِ کلام حق بجانب حنفی است و در خلافیاتِ فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی و در اقل متردد۔ (مبدء ومعاد صـ۳۹)	اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے کہ خلافیات علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب ہے۔ اور خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذاھب الحنفی طریقۃ انیفۃ ھی اوفق الطریق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونصحب فی زمان البخاری۔ (فیوض الحرمین)	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاریؒ کے زمانہ میں جمع ہوتی ہے اس سے زیادہ موافق ہے۔ یعنی صحیح حدیث ہے۔

گو حوالہ جات مذکورہ کی حیثیت کشف ہی کی ہے۔ مگر جناب نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:

اگر کشفِ دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود۔ (ریاض المرتاض صـ۲۱)	دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو ظن غالب کا حکم رکھتے ہیں۔

گویا فقہ حنفیہ اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں قرآن وحدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں اور یہ حقیقت تب ہی مانی جاسکتی ہے۔ جب امام صاحب کی کامل حدیث دانی اور حدیث فہمی کا اعتراف اور اقرار کیا جائے۔ (باقی آئندہ)

جناب پروفیسر اعجاز احمد صاحب وڑائچ
گورنمنٹ کالج اٹک

سر سیّد احمد خان کا نظریۂ معجزات

جسے بیسویں صدی کی سائنسی تحقیق نے بھی غلط ثابت کر دیا۔

"سر سید احمد خان ایک فطرت پسند فلسفی تھے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز اور اس کا ہر واقعہ بغیر کسی مافوق الفطرت حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم میں مذکورہ تمام مابعد الطبعیاتی تصورات کی فطری انداز سے وضاحت کی ہے۔ انہوں نے خدا، فرشتے، جنّت، دوزخ سب کو زمینی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک جو کچھ کائنات میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ چند قوانین فطرت کے تحت ہوتا ہے۔ جو اس کائنات کو روزِ ازل سے ودیعت کر دئے گئے ہیں۔ ان قوانین کو اگرچہ خود خدا نے بنایا تھا۔ لیکن اب جبکہ وہ بن چکے ہیں۔ وہ خدا کی مرضی اور ارادے کے بغیر خود مختارانہ طور پر عمل پذیر ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کسی خاص لمحے پر ہم نے کسی واقعے کی مکمل وجہ دریافت نہ کر لی ہو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ قوانین بجائے خود ناقابلِ ترمیم ہیں۔ کیونکہ قرآن میں خود خدا نے کہا ہے کہ میری عادات بدلتی نہیں ہیں۔ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے ایک گھڑی ساز کی مثال دی ہے جو ایک گھڑی کو چند مخصوص وظائف کی انجام دہی کے قابل بنا دیتا ہے۔ لیکن ایک بار جب گھڑی بن چکی ہے۔ تو وہ اپنے بنانے والے کی مدد کے بغیر ہی اپنا کام سرانجام دیتی رہتی ہے۔ اس طرح فطرت اپنے خالق کے حوالے کے بغیر اپنا وظیفہ سرانجام دینے کی اہل ہے۔ بعض اوقات گھڑی کو مرمت کیلئے گھڑی ساز کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن فطرت کامل ہے۔ کیونکہ یہ خدائے کامل کی تخلیق ہے۔ اس لئے اس میں کبھی کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا چنانچہ سید احمد خاں کے نزدیک معجزات اس مفہوم میں کہ یہ قوانین فطرت کی عمل پذیری کے عمومی فعل ہیں۔ خدا کی مداخلت کے مترادف ہیں کبھی ظہور پذیر نہیں ہوتے۔

اگر ہم معجزات سے محض عجیب و غریب واقعات مراد لینا چاہیں تو یہ ہماری روزمرّہ کی زندگی میں ہمیں پیہم پیش آتے رہتے ہیں مثلاً سورج کا طلوع و غروب ہونا۔ چاند کا ایک خاص انداز سے گھٹنا بڑھنا۔ بادلوں کا فضا میں تیرنا۔ بچے کی پیدائش ایسے مظاہر ہیں کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یقیناً حیرت ناک ہیں۔ قرآن نے لفظ آیات سے اسی قسم کے مظاہر مراد لئے

ہیں جن کا ترجمہ بعض مفسّرین نے معجزات کیا ہے۔

اگر قرآن کی تعلیمات میں واقعی معجزات کی کوئی گنجائش موجود ہے، تو وہ یہی معجزات ہیں۔ تاہم ایک عام آدمی معجزات کا یہی مفہوم سمجھتا ہے کہ یہ قوانین فطرت کے نقیض ہیں۔ ایک عام آدمی کا دعا کا تصوّر بھی اسی نظریئے پر استوار ہے۔ ہم دعا سے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ خدا کوئی ایسی بات کردے گا جس کے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ از خود نہیں ہوسکتی۔ ہم امتحان کیلئے پڑھتے نہیں ہیں اور جب امتحان قریب ہوتا ہے تو ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں پاس کردے۔

ہمیں علم ہے کہ اگر فطرت اپنے علت و معلول کے رشتے کو ملحوظ رکھے اور قوانین قدرت اپنی کارفرمائی کو جاری رکھیں تو میں پاس نہیں ہوسکتا۔ اور سیّد کہتے ہیں کہ جو معجزات کے امکان پر یقین رکھتا ہے۔ وہ دراصل خدا کی قدرت کاملہ کا منکر ہے۔ اور شرک کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ خدا نے مخصوص قوانین فطرت بنا دئیے ہیں۔ جن کے بارے میں وہ خود کہتا ہے کہ یہ کبھی تبدیل نہیں ہوسکتے۔ اب اگر ایک شخص خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کے بارے میں یہ یقین رکھا جائے کہ وہ ان قوانین میں مداخلت کرسکتا ہے تو گویا ہم اس پیغمبر کو خدا کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ بات پیغمبروں تک ہی بس نہیں ہے۔ ہم دوسرے نیک لوگوں کے بارے میں بھی یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین میں دخل اندازی کرسکتے ہیں۔ ان کے خیال میں آنحضرتؐ نے کوئی معجزہ پیش نہیں کیا۔ اور جب بھی لوگوں نے ان سے معجزہ دکھانے کو کہا تو انہوں نے محض یہ کہا تمام تعریفیں خدا کیلئے ہیں میں تو فقط اس کا ایک بندہ ہوں۔ یا یہ کہ نشانیاں سب خدا کی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ معجزات جن کا ذکر بظاہر قرآن میں کیا گیا ہے۔ ان سب کی تشریح سیّد احمد نے فطری اور عقلی انداز میں کی ہے۔ اس کے لئے اس نے تین طریقوں کو اپنایا ہے:

۱۔ لسانی تجزیہ ۲۔ نفسیاتی تجزیہ ۳۔ مابعد الطبعیاتی تصوّرات کی تشبیہاتی تشریح

پہلے طریقہ کا سرسیّد نے تخلیقِ آدم کے بارے میں قرآن میں بیان کردہ کہانی پر اطلاق کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے خیال میں یہ داستان خواہ اس کے مخفی معنی کچھ بھی ہوں اسے اس کے لغوی معنی میں نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے مطابق اس کہانی کا تعلق انسان اوّل کے ظہور سے نہیں۔ تشبیہاتی طور پر یہ انسان کی فطرت کو بیان کرتی ہے۔ اس سلسلے میں متنازعہ فیہ بات یہ ہے کہ آیا آدم جو اس کہانی کا بنیادی کردار ہے وہ ایک واحد انسان ہے یا فقط نسل انسانی کی نمائندگی کرتا ہے سرسیّد موخر الذکر ترجمانی کو قبول کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تخلیقِ آدم کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ فقط انسان کے شعوری سطح سے خود شعوری سطح پر آنے کی داستان ہے۔ اس ارتقاء میں تمام اخلاقی مضمرات بھی شامل ہیں۔ سرسیّد کے نزدیک فرشتے قوانینِ قدرت کی تجسیمی صورت ہیں۔ اسی طرح شیطان کو شر کیلئے ایک اشارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح سرسیّد نے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے بارے میں قرآنی بیان کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اس میں بالکل کوئی مافوق الفطری یا معجزاتی بات نہیں ہے۔

نفسیاتی تجزیہ کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ہم معراج کے متعلق سرسید کے نظریئے کا حوالہ دے سکتے ہیں۔
پیغمبر اسلام کی معراج کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضورؐ بیداری کے عالم میں اپنے جسم سمیت بلند کئے گئے اس واقعہ پر بہت لمبی بحث و تمحیص کرنے کے بعد سرسید اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ معراجِ نبوی کا تمام تر تجربہ خواب کی حالت میں ہوا۔ اسی طرح بہت سے صوفیائے کرام حتّٰی کہ خود پیغمبروں کا یہ کہنا کہ انہوں نے خدا سے بالمشافہ گفتگو کی ہے یہ محض ان کے نہایت قوی تصورات کا کرشمہ ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسی طرح دعا کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ اس کا مقصد محض انسان کی اپنی نفسیاتی تسکین ہے۔ اور یہ کہ اس سے احوالِ واقعی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سرسیّد نے مافوق الفطری واقعات اور جنّت اور دوزخ کی تشبیہاتی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔
قرآن میں جنّت، اور دوزخ کی وضاحت کے لئے ان کا ایک مفصّل لفظی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ جنّت میں پھل دار اور سایہ دار درخت، دودھ کی نہریں۔ حور و غلمان وغیرہ ہوں گے اور دوزخ میں آگ، زہریلے سانپ اور بچھو ہوں گے۔ عام مسلمان ان بیانات کو محض لغوی معنی میں لیتے ہیں۔ جبکہ سرسید کا خیال ہے کہ جنّت اور دوزخ وغیرہ کو خدا نے علاقائی زبان میں بیان کیا ہے۔ عرب جو قرآن کے بلاواسطہ مخاطب ہیں۔ انہیں جو چیزیں عزیز تھیں انہیں خدا نے جنّت کی وضاحت میں بیان کر دیا۔ اور جو انہیں بالخصوص تکلیف دہ تھا اُسے دوزخ میں بیان کر دیا ہے۔ حالانکہ اگر عمومی انداز سے دیکھا جائے تو دوزخ کا بیان بدکردار لوگوں کے لئے محض ایک دھمکی ہے جو انہیں خوفزدہ کر سکے اور وہ اعمال خیر کی طرف راغب ہوں۔ جبکہ جنّت کا بیان محض اچھے افعال کی طرف مائل کرنے کا طریقہ ہے۔ گویا جنّت اور دوزخ کی حیثیت مکانی نہیں بلکہ فقط نفسیاتی ہے۔

سرسیّد کا واقعات کے فطری کردار میں خدا کی مداخلت کا انکار دراصل انیسویں صدی کے طبعیات کے عمومی تصوّر کے پس منظر میں دیکھنا چاہیئے۔ انیسویں صدی کے سائنسدانوں کا تصوّر یہ تھا کہ کائنات میں مکمل قسم کی جبریت کارفرما ہے اور اس میں جو علت و معلول کے رشتے ہیں ان میں لزوم کا تعلق پایا جاتا ہے۔

اب یہ بات واضح ہے کہ اگر ایک خاص علت لازمی طور پر ایک خاص معلول کو پیدا کرتی ہے۔ تو کوئی معجزہ رونما نہیں ہو سکتا اگر پانی اپنی فطرت کے اعتبار سے پیاس کو بجھانے کی علت ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم پانی پیئیں اور نتیجۃً ہماری پیاس اور بڑھ جائے۔ یا اگر ہمیں آگ میں ڈال دیا جائے تو ہمارے لئے راحت و سکون میسّر ہو جائے۔ معجزات صرف اس صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جب علت و معلول کا تعلق لازمی اور حتمی نہ ہو۔
جدید سائنس اور جدید منطق دونوں نے کچھ اسی قسم کی صورتحال کی جانب راہنمائی کی ہے۔ بیسویں صدی کی طبعیات قوانین قدرت میں مطلق جبریت کی قائل نہیں۔ علت و معلول میں منطقی لزوم نہیں پایا جاتا۔ ان میں محض مادی اطلاق کا تعلق ہے۔ جیسا کہ برٹرینڈ رسل نے اسے نام دیا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو منطقی طور پر اس بات کا امکان موجود ہے۔

کہ نام نہاد علت تو موجود ہو لیکن معلول موجود نہ ہو۔ اسی کو ہم معجزہ کا نام دیتے ہیں۔ سائنس دانوں نے اس بات کیطرف توجہ دلائی ہے کہ ان کے دریافت کئے ہوئے کوئی قانون بھی قطعی طور پر صحیح نہیں ہیں۔ تمام سائنسی قوانین کی حیثیت مفروضات کی سی ہے۔ ہم مکمل اعتماد سے کبھی بھی نہیں کہہ سکتے کہ ایک خاص صورتحال میں فطرت ایک خاص انداز سے ہی کار فرما ہو سکتی ہے۔ یہی حال اصول یکسانیٔ فطرت کا ہے جسے فقط ہم نے اپنی عملی آسانی کیلئے وضع کر لیا ہے۔ چنانچہ اگر قوانین فطرت اور اصول یکسانیٔ فطرت قطعی نہیں ہیں تو ان کا گاہے گاہے ٹوٹتے رہنا اور ان کے خلاف واقعات کا رونما ہوتے رہنا کوئی غیر سائنسی بات نہیں ہے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ معجزات کا رونما ہونا ایک عین سائنسی عمل ہے۔

مزید برآں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قانون علت موجودات کے مختلف مدارج پر مختلف انداز میں عمل پذیر ہوتا ہے۔ یہ مدارج مادہ زندگی اور ذہن کے ہیں۔ علیت کی وہ قسم جو ان میں سے کسی ایک عالم میں کارفرما ہے۔ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے منفرد ہے اور اسے کسی دوسرے عالم کی علت میں تحویل نہیں کیا جا سکتا۔ جب ہم مثال کے طور پر مادی دنیا کی میکانکی جبریت سے بلند ہوتے ہیں۔ اور زندگی کے درجے میں پہنچتے ہیں تو وہاں جبریت کے ایک عنصر کے علاوہ ہمیں ایک انبعاث کا عنصر ملتا ہے۔ جس کے اپنے قوانین ہیں۔ مگر یہ کسی لحاظ سے بھی طبعیات کے قوانین نہیں ہیں۔ اس سے آگے بڑھیں تو شعوری عضویہ میں کام ایک مقصد کے حصول کیلئے ہوتے ہیں۔ شعوری رویئے کا یہ پہلو زندگی کی برجستگی اور مادے کی میکانیت سے بالکل مختلف ہے۔ چونکہ زندگی مادے سے بلند ہے اور ذہن زندگی سے بلند تر ہے۔ مادی علیت جاندار علیت کے تحت آتی ہے اور جان دار علیت ذہنی علیت کے تابع ہے۔ جب زندگی مادے پر عمل پذیر ہوتی ہے تو واضح بات ہے کہ مادی کائنات کے قوانین میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اور اسی طرح ذہن جب زندگی کے قوانین پر اثر انداز ہوتا ہے تو انبعاث کے قانون میں تبدیلیوں کا رونما ہونا ضروری ہے۔ اسی تمثیل پر جب ہم ساری کائنات کے قوانین کو اس علیت کے تحت تصور کرتے ہیں جو خود خدا اور اس کے ارادوں سے وابستہ ہے۔ تو ہمیں یہ لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ خدا جب اپنی خصوصی علیت کے اعتبار سے اس کائنات پر عمل کرتا ہے تو اس کے اپنے علیتی رشتے درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ صورتحال ہے جس میں ہم یہ کہتے ہیں کہ معجزات رونما ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ ■

بقیہ: حضرت شاہ ولی اللہ

کے دل میں نہ آنے پائیں چنانچہ شروع میں ذاکر کی توجہ سب طرف سے ہٹ کر اپنے نفس کی طرف مرکوز ہوتی ہے۔ اور پھر بتدریج وہ نفس سے ہٹ کر ذات حق کو اپنا مرکز بنا لیتی ہے۔" (القول الجمیل)

اس حقیقت سے بہت کم حضرات واقف ہوں گے کہ حضرت شاہ صاحب اوراد و ظائف اور دعا تعویذ کے نہ صرف قائل ہی تھے بلکہ لوگوں کو ان کی مشکلات کے مواقع پر خود تعویذ بھی دیا کرتے تھے۔ اور کچھ وظائف یا عمل بھی بتلایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اتنا عام تھا کہ لوگوں کی طلب پر تعویذ یا وظائف بذریعہ ڈاک باہر بھی ارسال فرماتے تھے۔

Adarts HSF -1/79

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
پاکستان پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
وائل
ٹیٹرون
حسین کے
پارچہ جات
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن
HTM-1/77
(CCI) Crescent

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سہراب

خاص برائے الحق

مولانا نصیب علی شاہ صاحب بخاری

فاضل حقانیہ ـــــ ناظم جعفر بنوں

خلافت و امامت

شرعی اور تاریخی نقطہ نگاہ سے

لاہور ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس ایم ایس ایچ قریشی، مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اور مسٹر جسٹس عبید اللہ خان پر مشتمل شریعت بنچ کے روبرو سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج مسٹر بدیع الزمان کیکاؤس کی دائر کردہ رٹ درخواست کی سماعت ہو رہی ہے جس میں موجودہ انتخابی قوانین کو غیر اسلامی اور پارلیمانی نظام حکومت کو اسلام سے متصادم نظام قرار دینے کی استدعا کی گئی ہے۔ مسٹر کیکاؤس نے فاضل عدالت کو اپنے نقطہ نظر پیش کرنے اور دلائل دینے وقت خلافت و امارت اور شوریٰ کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔ چنانچہ اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے چند گذارشات پیش ہیں۔

خلافت کا معنی | خلافت کے لغوی معنی، جانشینی اور اس کا اصطلاحی مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی کی حیثیت سے دینی اور دنیاوی امور میں فرماں روائی کا حق تھا خلیفہ کی شخصیت شرعی نقطہ نظر سے دینی اور دنیاوی معاملات میں فرماں روائی کی حامل تھی۔ یہ فرماں روائی شریعت کے دستور اور قوانین کی پابندی تھی۔ خلافت کا حقیقی مقصد ناموس اسلام کا تحفظ اور شرعی زاویہ نگاہ سے حکومت کے نظم و نسق کی تنظیم اور اس کا قیام تھا (مقدمہ ابن خلدون)

اس طرح تاریخ اسلام صد ۲۵۹ از مولانا اکبر شاہ خان میں لکھتے ہیں خلیفہ کے معنی جانشین اور خلافت کے معنی جانشینی ہیں لیکن اصطلاح شرع اور اصطلاح مورخین میں خلیفہ کے معنی بادشاہ یا شہنشاہ کے قریب قریب لیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد الارض کا لفظ بھی ضرور آیا ہے اور انی جاعل فی الارض خلیفہ سے ثابت ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم یعنی بنی آدم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ بنی آدم کا اشرف المخلوقات ہونا ظاہر اور نوع انسان کا زمینی مخلوقات پر حکمران ہونا عیاں ہے۔ پس یہ خلافت انسان کی جو زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ یقیناً خلافت الٰہیہ ہے اور نوع انسان

خلیفۃ اللہ اور جس طرح خدا تعالیٰ تمام موجودہ مخلوقات کا حقیقی حکمران اور شہنشاہ ہے۔ اسی طرح زمین میں زمین میں صرف نوع انسان ہی تمام دوسری مخلوقات پر بظاہر حکمران نظر آتی ہے۔ پس خلافت دراصل اس کا نام ہے کہ دین کی حفاظت و غور و پرداخت اور سیاست دنیا میں شارع علیہ السلام کی ٹھیک ٹھیک جانشینی و نیابت انجام دی اس کا نام خلافت بھی ہے اور امامت بھی اور قائم و نائب کو خلیفہ بھی کہتے ہیں۔ اور امام بھی۔ امام کے لفظ میں تو امام نماز کے ساتھ تشبیہ ہے جس طرح اس کی حرف بحرف اتباع اور پیروی کی جاتی ہے اسی طرح امام وقت کی بھی۔ اس لئے اس کو امامت کبریٰ کہتے ہیں اور خلیفہ کو خلیفہ بدیں وجہ کہا جاتا ہے کہ یہ نبی صلعم کی امت میں نبی علیہ السلام کی خلافت و امامت انجام دیتا ہے کبھی مطلق خلیفہ کہتے ہیں اور کبھی خلیفہ رسول اللہ۔

آسمانی بادشاہت اور خلافت ارضی | خلافت زمین میں آسمانی بادشاہت کے اصول کا نقشہ ضروری ہے۔ نہ کہ خدائی حکومت کے نام سے انسانی مطلق العنانی یعنی خلافت میں دین خداوندی کے اصول پر مخلوق خداوندی کی تربیت کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ خدائی بادشاہت کے نام سے انسانی تحکم اور استبداد منوایا جاتا ہے۔ یا خلیفہ اپنے کو خدائی حکومت کا مظہر اتم بتا کر اپنی مطلق العنانیوں کو بزور شمشیر تسلیم کراتا ہے۔ چنانچہ مولانا قاری محمد طیب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب فطری حکومت میں سات آسمانی اصول کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

۱۔ خلافت میں اقتدار اعلیٰ | مثلاً اسلامی بادشاہت میں اقتدار اعلیٰ ذات حق ہے اور خلافت میں بھی وہی ہے بطور نمونہ عمل اس کا نائب یا گورنر۔ رسول برحق اور نائب رسول کو رکھا گیا ہے جس کو امیر یا خلیفہ کہتے ہیں۔ پس حاکمیت تو صرف خدا کی مانی گئی ہے بواسطہ رسول۔ اس لئے رسولؐ اور نائب رسولؐ کی اطاعت بھی واجب ٹھہرائی گئی۔ آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

یاایھاالذین امنوا اطیعو اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

ترجمہ۔ اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔

۲۔ خلافت میں ملاء اعلیٰ | آسمانی بادشاہت میں شاہی کونسل ملاء اعلیٰ ہے اور خلافت میں اس کا نمونہ مجلس شوریٰ ہے۔ آیت کریمہ میں ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم۔ اور ان کا ہر کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

۳۔ خلافت میں مقصد اعلیٰ | آسمانی بادشاہت میں مقصد اعلیٰ یعنی غرض حکومت ربوبیت اور ہدایت عامہ ہے اور خلافت میں اس کا ظل اور نمونہ اقامت دین ہے جس کا مقصد وہی تربیت و تہذیب نفوس ہے۔ آیت کریمہ میں ہے:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر و للہ

عاقبۃ الامور۔

"ترجمہ۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

۴۔ خلافت میں مصلحِ اعلیٰ | آسمانی بادشاہت میں مصلحتِ اعلیٰ (سرکاری پالیسی) رحمتِ عامہ ہے اور خلافت میں اس کا نمونہ اخوۃ اور شفقت علی الحق ہے جس سے تمام اقوام و ملل اور تمام اوطان و اقالیم مل کر خلافت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ قول اللہ عزوجلّ انما المومنون اخوۃ

اور ہم نے آپ کو کسی بات کے لئے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان پر مہربانی کرنے کے لئے اور مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں۔

۵۔ خلافت میں میزانِ اعلیٰ | آسمانی بادشاہت میں میزانِ اعلیٰ قانونِ قدرت ہے جو بعض طبیعات اور اسباب کام کرتا ہے۔ خلافت میں اس کا نمونہ قانونِ شریعت ہے جو بعض عقل و اختیار کا پرداز ہوتا ہے جس کے معیار سے اقوامِ عالم سربلند اور سرنگوں کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے: بیدہ المیزان یرفع بہ اقواماً ویضع بہ آخرین (مسلم)

اسی کے ہاتھ میں میزان ہے جس سے وہ کسی قوم کو سربلند کر دیتا ہے اور کسی کو سرنگوں۔

۶۔ خلافت میں حلف وفاداری | آسمانی بادشاہت میں حلف وفاداری بصورت طبعی انقیاد و تسلیم ہے اور خلافت میں اس کا نمونہ ارادی بیعت امیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔

جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

۷۔ خلافت میں عملی اطاعت شعاری | آسمانی بادشاہت میں شاہی اطاعت بمعنی عبادت ہے۔ اور خلافت میں بمعنی سمع و طاعت ہے، حدیث شریف میں ہے:

سمعوا واطیعوا ولو امر علیکم عبد حبشی مُجدّع الاطراف

سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم امیر بنا دیا جائے کوئی حبشی غلام جس کے دست و بازو بھی صحیح سالم نہ ہوں بریدہ ہوں یعنی بظاہر ذلیل حقیر سمجھا گیا ہو۔

پس آسمانی بادشاہت کے نظائر سے جو خلافت میں رکھے گئے ہیں۔ خلافت کے بھی سات ہی اصول و ارکان ثابت ہو جاتے ہیں۔ امیر عامہ۔ قانون سماوی مجلس شوریٰ۔ اقامت دین۔ اخوت و مساوات۔ بیعت خالص۔ سمع و طاعت۔

خلافت سے شاہیت کا رد ان مذکورہ سات آسمانی اصول کا اسوہ لے کر جب خلافت کا ڈھانچہ تیار کیا جائے گا اور اس میں سات اصول بحیثیت مجموعی استعمال کئے جائیں گے تو اس کی روشنی سے خود بخود اسلامی سلطنت کے ایسے انداز پیدا ہو جائیں گے جو اسے آسمانی بادشاہت اور آسمانی بادشاہت کا پیرو بنا دیں گے۔ اور اس امارت میں سے بعد کی اختراعی حکومتوں اور اصطلاحی سیاستوں کے بہت سے ایسے اصول کی جڑ کٹ جائے گی جنہوں نے نتیجہ کے طور پر انسانوں کو خدائی اختیارات دے کر انسانی برادری کو بداخلاقیوں، بداعمالیوں اور باہمی پھوٹ کا شکار بنایا اور دنیا کے امن و سکون کو بے معنی کر دیا ہے۔

خلیفہ کے القاب حضرت ابوبکرؓ عالم اسلامی کے نظم و نسق اور آئین اسلام کے قیام میں آنحضرت صلعم کے قائم مقام تھے اس لئے آپ کا لقب خلیفہ رسول اللہ تھا۔ حضرت عمرؓ کا لقب کچھ عرصہ خلیفہ رسول رہا اس لئے اس لفظ کے ترکیبی ثقل کی وجہ سے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا گیا۔ یہ لقب اس پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے حکومت کا دائرہ وسیع کرنے کا عزم کر لیا تھا اور حضرت عمرؓ ان کے قائد تھے کیونکہ "امیر" عہد جاہلیت میں فوج کے سردار کو کہا جاتا تھا۔ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے یہ لقب اختیار کیا تھا۔ سچ پوچھئے تو حضرت عمرؓ ہی کی روحانی قیادت، فتوحات اسلامیہ میں کارفرما تھی اس لفظ کے مفہوم میں جنگی اور انتظامی قیادت داخل ہے۔ آپ اس کے صحیح مصداق تھے خلیفہ کو "امام" اس لئے کہا جاتا تھا کہ اُسے مذہبی تقدس حاصل تھا۔ اور وہ نماز میں امامت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ جو مسلمانوں میں دینی مرکزیت پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن میں یہ لفظ پیشوا، رہنما اور سردار کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسلام کے دور اول میں خلیفہ کے تین لقب تھے خلیفہ امیر المومنین اور امام یہ خلیفہ کے مشہور القاب تھے (النظم الاسلامیہ۔ از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن پروفیسر تاریخ اسلام قاہرہ یونیورسٹی)

خلیفہ کی صفات اور شروط خلیفہ کے لئے علم۔ عدالت۔ کفایت اور ان اعضاء اور حواس کی صحت و سلامتی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ جن کا اثر رائے اور عمل پر پڑتا ہو۔ امام انقلاب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ البالغہ میں خلیفہ کے لئے مندرجہ ذیل شرائط اور صفات ذکر کئے ہیں۔

واضح رہے کہ خلیفہ کے اندر عاقل بالغ آزاد مرد شجاع صاحب رائے سننے والا اور دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے۔ اور اس کا ایسا شخص ہونا شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی فرماں برداری سے عار نہ کرتے ہوں اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ وہ سیاست مدینہ میں حق کا اتباع کرے گا یہ سب باتیں ایسی ہیں جن پر عقل دلالت کرتی ہے اور ازاں جملہ اسلام اور علم اور عدالت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مصالح بغیر ان امور کے تمام نہیں ہوتے اور اس پر مسلمانوں کا اجتماع ہے اور اس امر پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں حاکم بنا دے گا

جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔ مقدمہ ابن خلدون میں امامت کے لئے علم، عدالت، کفایت اور سلامتی حواس و اعضا شرط قرار دئے گئے ہیں۔

انتخاب خلیفہ | خلافت چند طرح سے منعقد ہوتی ہے ایک تو ان لوگوں کے بیعت کر لینے سے جو حل و عقد کے مالک ہیں۔ جیسے علماء اور رؤسا اور وہ امراء لشکر جو صاحب الرائے اور قوم کے خیر خواہ ہوں جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ وصیت کرے کہ فلاں شخص کو خلیفہ بناؤ جس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت منعقد ہوئی تھی۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی خاص شخص کے لئے قوم کے اندر مشورہ ہو جس طرح حضرت عثمانؓ بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد ہوا۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں یہ شرائط پائی جائیں لوگوں پہ قادر اور مسلط ہو جائے جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خلفاء کی خلافت ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

وجوب تقرر خلیفہ و امام | خلیفہ و امام کا تقرر و تعین واجب اور لازمی ہے۔ اور اس کا وجوب اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو صحابہ کرام نے فوراً ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اور اپنے امور ملکی انہیں کے سپرد کئے۔ پھر آپ کے بعد بھی انتخاب خلیفہ و امام کو نہایت اہمیت رہی اور ہر زمانہ میں اس پہ عمل ہوتا رہا۔ کبھی انسانوں کو آزاد بے مہار نہیں چھوڑا گیا۔ تو گویا اس لحاظ سے خلیفہ اول و امام کے تقرر پہ اجماع امت ثابت ہوا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ امامت کا قیام اجماع کی رو سے نہیں بلکہ عقل کے ماتحت واجب ہے۔ اجماع امت نے عقل کے تقاضے کو نافذ و جاری کیا ہے اور عقل امامت کی اس لئے مقتضی ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی اور اس کا وجود بغیر امام کے ممکن نہیں کیونکہ جب بنی نوع انسان مل جل کر رہیں گے تو اغراض و مقاصد کے آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے وہ بغیر لڑے بھڑے رہ نہیں سکتے۔ پس جب تک کوئی فیصلہ کن حاکم نہ ہوگا دنیا پوری کی پوری میدان جنگ بن جائے گی۔ اور پھر آخر میں ہلاکی کے بھینٹ چڑھے گی۔ اور نوعِ انسانی ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ نوع انسانی کی حفاظت شریعت کا نہایت اہم مقصد ہے لیکن حکماء کا قول ظاہر البطلان ہے کیونکہ لوگ خود سمجھ سمجھا کر ظلم و تعدی اور جنگ و جدال سے ہاتھ کھینچ لیں۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ خلافت و امامت کی ضرورت و وجوب پہ صرف اجماع امت دلالت کرتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

دینی خلافت اور دنیاوی سلطنت کا فرق | خلافت کے متعلق جو کچھ اوپر مذکور ہو چکا ہے اس سے یہ شبہ گذرتا ہے کہ خلافت محض بادشاہت اور سلطنت کا نام ہے تو ہر ایک بادشاہ کو خلیفہ کہا جا سکتا ہے اور خلافت کو مذہب سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں خلیفہ صرف اس بادشاہ یا حکمران کو کہا جا سکتا ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ حکومت و سلطنت کا وارث اور امر سلطنت میں آپ کا جانشین ہو اور اعمال دینیہ یعنی نماز، فتویٰ، قضا

عدالت احتساب جہاد وغیرہ کا مہتمم اور تکالیف شرعیہ پر عوام الناس کو آمادہ اور عمل کرنے کی ہدایت کرے شریعت اسلام مصالح دنیوی اور مصالح اخروی دونوں پر مشتمل ہے۔ ایک غیر مسلم اور دنیوی بادشاہ کے ذریعہ جو نوع انسان کی خدمت اور رفاہ عام کا کام انجام پذیر ہوتا ہے۔ اس سے بدرجہا بہتر کام خلیفہ یعنی احکام رسول کے موافق کرنے والے کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ ایسی حکومت جو قانون شرع کے موافق دنیا میں قائم رہی وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی حکومت تھی اسی حکومت و سلطنت کا نام خلافت راشدہ ہے۔ (تاریخ اسلام)

بیعت اور شوریٰ | خلیفہ کے انتخاب کے بعد بیعت اور اس طرح شوریٰ کو تشکیل دینا بھی اہم اور ضروری مقاصد میں سے ہیں مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ بیعت طاعت پر عہد کرنے کا نام ہے۔ گویا بیعت کرنے والا اپنے امیر سے عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی اور مسلمانوں کے تمام امور میں امیر کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے۔ پھر یہ رسم چلی آرہی ہے کہ جب امیر سے بیعت کرتے ہیں اور عہد باندھتے ہیں تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں تاکہ عہد کی اور زیادہ پختگی ظاہر ہو۔ یہ فعل گویا بائع و مشتری کے فعل کے مشابہ ہوا اس لئے اس کا نام بیعت رکھا۔ جو باع کا مصدر ہے اور اب بیعت مصافحہ کرنے سے عبارت ہوئی۔ بیعت الخلفاء اور ایمان البیعہ بھی اسی زمرہ کی چیز ہے اور اب عرف میں بیعت کے لفظ کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے جو دراصل عہد علی الاطاعت کا نام ہے۔

شوریٰ سے متعلق دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب مدظلہ لکھتے ہیں:

قانون فہمی کے لئے ایک مجلس کا ہونا ناگزیر ہے۔ کیونکہ اسلام کے جامع احکام میں مناسب وقت ہدایات اخذ کرنے میں ایک دماغ کام نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جو قانون سارے دماغوں کے مجموعہ پر حاوی ہونے کے لئے اتارا گیا ہو اس کے مجموعہ پر ایک جزی اور شخصی دماغ حاوی کیسے ہوسکتا تھا اس لئے امیر اور قانون سماوی کے ساتھ مجلس شوریٰ لازم کی گئی۔ پس شوریٰ کا اہم اور بنیادی کام یہ ہے کہ امیر کو نہ قانون سماوی سے باہر جانے دے اور نہ قانون کے اندر غلط روی اختیار کرے۔ اس لئے اسلام میں امیر کو مجلس شوریٰ کا پابند بنایا گیا نیز اقتدار اعلیٰ کے ساتھ ملاء اعلیٰ یعنی امیر کے ساتھ مجلس شوریٰ کا جوڑ لگا دینے سے ایک طرف تو شخصی سلطنت اور استبداد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور ڈکٹیٹر شپ کسی نہج سے بھی اسلامی چیز قرار نہیں پاتی ساتھ ہی موروثیت اور خاندانی گدی نشینی کی بھی جڑ نکل جاتی ہے اور امیر صالح کا انتخاب اساسی چیز قرار پاتا ہے:
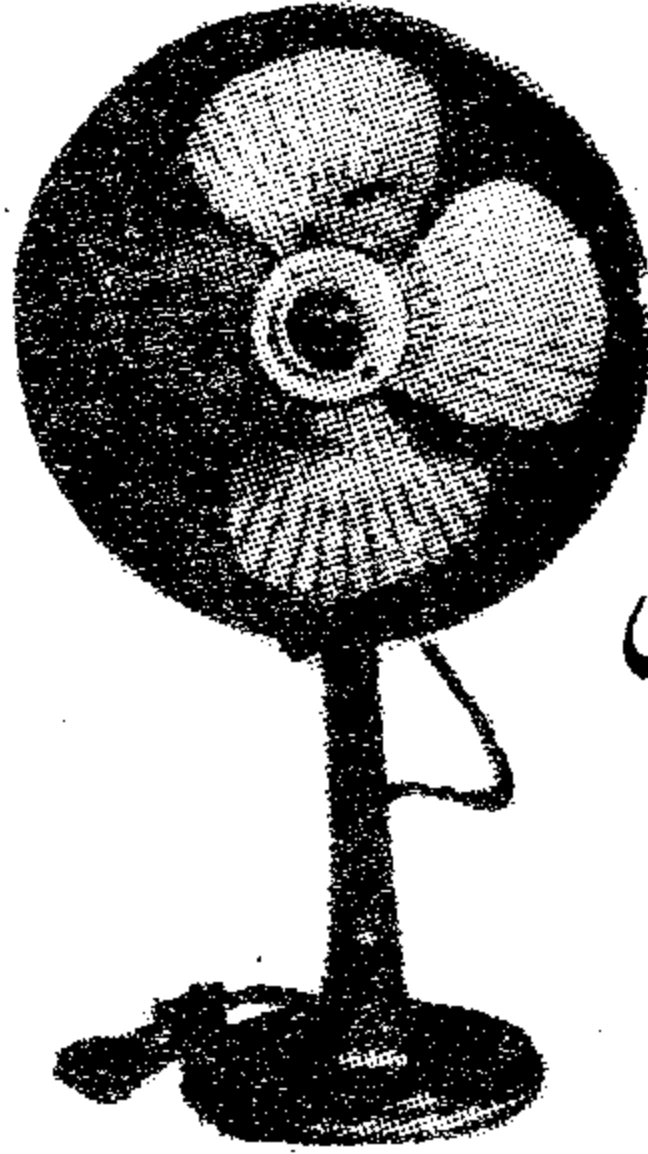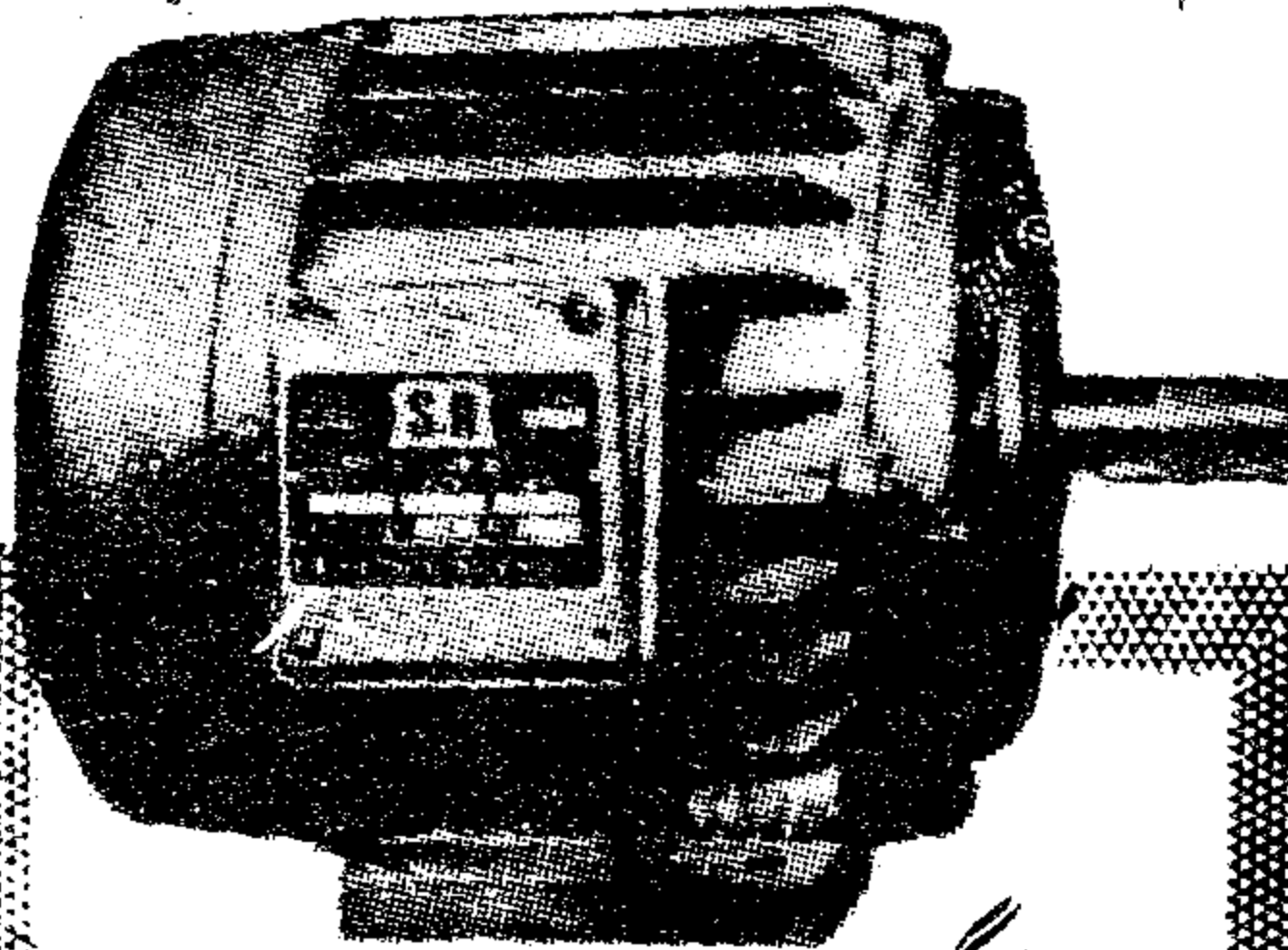
ESTD. 1936
S.A
FANS & MOTORS
ایس اے
پنکھے
اور
موٹریں
کم خرچ
بالانشین
سیلنگ
ٹیبل
پیڈسٹل
ٹیبل کم پیڈسٹل
ایگزاسٹ
اور
موٹریں
ایس اے الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
جی ٹی روڈ۔ گجرات
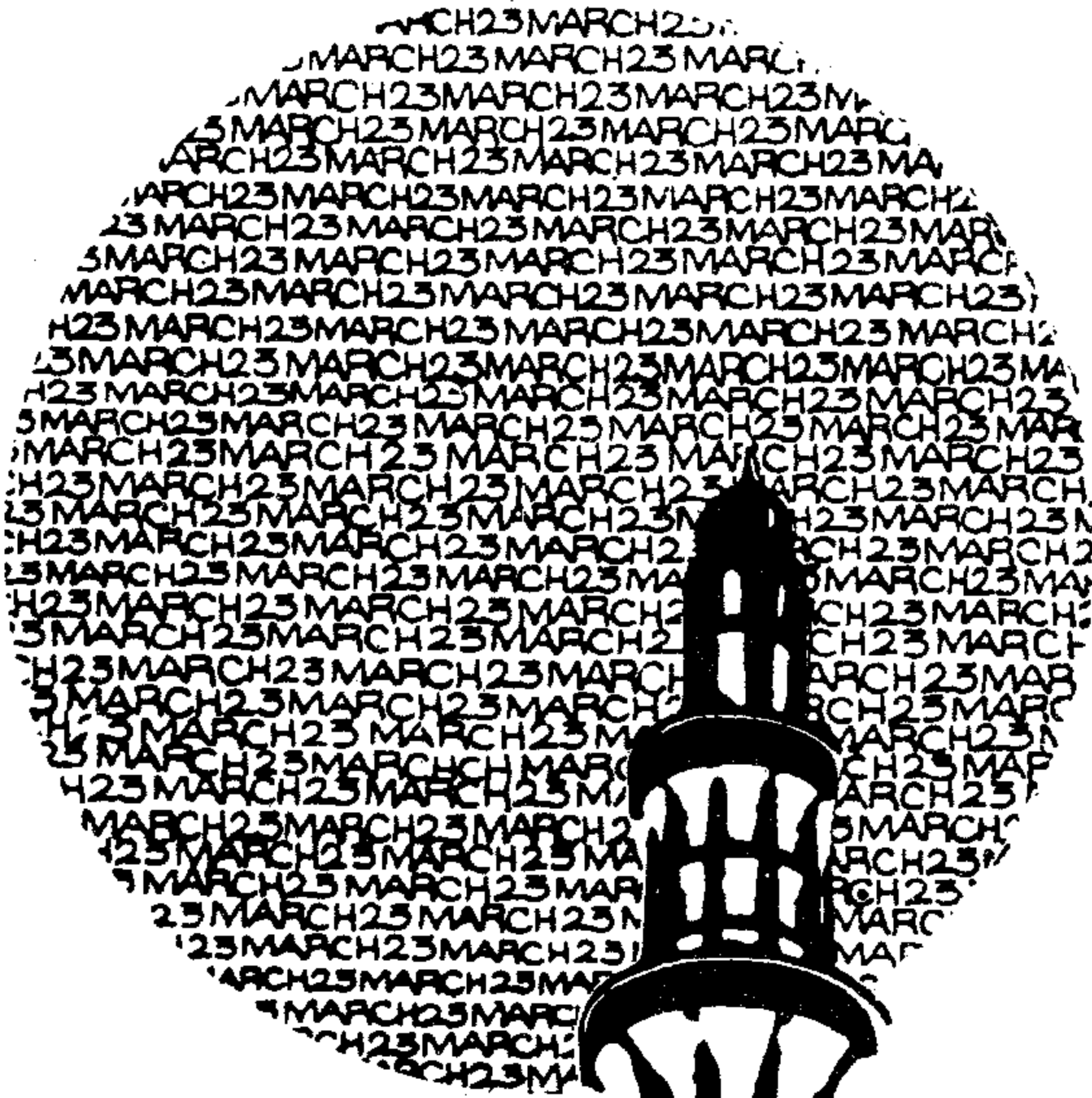
MARCH23MARCH23MARCH23
اِس تاریخ ساز دن کے موقع پر
فوجی فاؤنڈیشن
سابق فوجیوں کی خدمت کے عہد کی تجدید کرتا ہے،
چھ ہسپتال اور دو ہیلتھ سنٹر کے ذریعے تقریباً ۲٫ لاکھ افراد کا مُفت علاج کیا۔
ملک کا سب سے بڑا مصنوعی اعضا تیار کرنے کا پروجیکٹ جہاں ۲۵۰۰ مصنوعی اعضا معذور فوجیوں کو لگائے گئے۔
۱۴ کاٹیج انڈسٹریز سنٹر جہاں ۷۰۰ زیر تربیت طالب علموں کو بُنائی، سلائی، کٹنگ، کڑھائی اور قالین بُننے کی تربیت دی جاتی ہے۔
تقریباً ۲۳ ہزار طالب علموں کو ٹیکنیکل و غیر ٹیکنیکل تعلیم کے لئے سالانہ ۷۵ لاکھ روپے کے وظائف دیئے گئے۔
سابق فوجیوں کو اندرون و بیرون ملک روزگار مہیا کیا جاتا ہے۔
اب تک سابق فوجیوں کی بہبود پر ۱۸ کروڑ روپے صرف کئے گئے۔
فلاح و بہبود کی سہولتوں کا دائرہ ہر سال بڑھتا ہی رہتا ہے۔
فوجی فاؤنڈیشن
سابق فوجیوں کی بہبود کے لئے ٹرسٹ
ORIENT

مولانا عبدالحیٰ صاحب فاروقی

قسط ۲

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اور اُن کے نظریات تصوّف

حضرت شاہ صاحب نے ان دونوں نظریات کو تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے ان ساری عبارتوں کو جو فریقین کے کلام میں پائی جاتی ہیں صحیح محمول کیا اور بتایا کہ ان میں جس کسی نے کوئی بات کہی ہے وہ کسی ایک خاص مقام سے تعلق رکھتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہر گروہ نے اس مسئلہ میں کسی ایک پہلو کے متعلق اجمال سے کام لیا ہے۔ اور پھر اپنے زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے جس کی تفصیل جس کے نزدیک اہمیت رکھتی تھی وہ اسی کے بیان میں مشغول ہو گیا۔

غرض کہ شاہ صاحب نے وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش فرمائی جس سے ایک طرف پوری ایک صدی کے اختلافات کی خلیج پر ہوئی تو دوسری طرف امت کے لئے ایک سیدھی راہ متعین ہو گئی۔

حضرت علیؓ اور دیگر سلاسل | عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ طریقت کے سارے سلاسل حضرت حسن بصریؒ کے ذریعہ حضرت علیؓ پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ عمومی خیال بالکلیہ صحیح نہیں ہے۔ (ہمعات اور قرۃ العینین) شاہ صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ حسن بصریؒ اور حضرت علیؓ کے درمیان صحبت اور ملاقات متحقق نہیں ہے۔ بعض علماء کے نزدیک سارے سلاسل کا حضرت علیؓ پر جا کر انتہا پذیر ہونا تشیع کی روایات کی وجہ سے ہے مگر شاہ صاحب نے ہمعات میں اس کی دوسری توضیح فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ:

سارے سلاسل کا رجوع حضرت علیؓ کی جانب اگرچہ روایات کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود سارے صوفیاء نے اس پر اتفاق کیا ہے اور یہ اتفاق بے وجہ نہیں ہے۔

فقیر کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ اس امت کے سب سے پہلے مجذوب تھے۔"

طریق ذکر | صوفیاء کے یہاں ذکر کے دو طریقے ہیں۔ ایک ذکر جہری اور دوسرا سرّی۔ ذکر جہری کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ نقشبندیہ کے نزدیک یہ غیر اولیٰ اور مکروہ ہے۔ لیکن چشتیہ حضرات اس پر مصر ہیں کہ یہی اولیٰ اور افضل ہے۔

یہ اختلاف شاہ صاحب کے زمانے میں نہایت شدید تھا ہر شخص اپنے مسلک کے اثبات اور اس کی افضلیت پر اپنا استدلال پیش کرتا تھا۔

شاہ صاحب پر اگرچہ نقشبندیت غالب تھی مگر اس کے باوجود غیر جانبداری کے ساتھ آپ نے اس مسئلہ پر غور کیا اور کوشش فرمائی کہ صوفیاء کا یہ اختلاف ختم ہو جائے۔ لہذا دونوں گروہوں کے اعتراضات اور پھر ان کے جوابات دیتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ اس طرح فرماتے ہیں۔

"لیکن اکثر اوقات میں اور اکثر استعدادوں کے اعتبار سے کوئی طریقہ ذکر جہری سے زیادہ نفع بخش نہیں ہے۔ اس بارے میں لوگوں کو شک میں مبتلا کرنا زبردستی کی بات اور حق سے انکار کرنے کے مرادف ہے۔"

بیعت کی حکمت اور حیثیت | صوفیاء کرام کے یہاں بیعت کرنے کا جو طریقہ رائج ہے اس کو بعض علماء بدعت کہتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب کے نزدیک متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بیعت بدعت نہیں بلکہ مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ شاہ صاحب نے بیعت کی مختلف قسمیں بتلانے کے بعد اس کی یہ حکمت بتلائی ہے کہ انسان کے اندر جو باطنی کیفیات پیدا ہوتی ہیں ان کو اللہ تعالی نے چند مخصوص اقوال اور اعمال کے ساتھ اس طرح متعلق کر دیا ہے۔ گویا اقوال و اعمال ان نظر نہ آنے والی باطنی کیفیات کا قائم مقام بن گئے ہیں۔ انہیں اقوال و اعمال کو دوسری جگہ شاہ صاحب نے "رسوم" کا نام دیا ہے۔ ان رسوم کے بغیر انسان کی کوئی باطنی کیفیت اس دنیا میں متشکل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ کیفیت پیدا کرنے کے لئے لامحالہ ان رسوم کی ضرورت پڑتی ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک جب کوئی شخص توبہ کرتا ہے ترک معاصی کا عہد کرتا ہے اور تقوی پر مضبوطی سے قائم رہنے کا تہیہ کرتا ہے۔ تو یہ اس کا عزم نفس کی ایک داخلی کیفیت ہے۔ اس داخلی کیفیت کا قائم مقام صوفیا نے بیعت کو بنایا ہے یعنی بیعت محض ایک بیکار رسم نہیں ہے بلکہ اس رسم کے پیچھے ایک نفیس کیفیت ہے جو بیعت کرنے والے کے باطن میں پیدا ہوتی ہے (قول جمیل)

ذکر و اشغال | بعض علماء خصوصاً علماء حجاز صوفیا کے ذکر و اشغال کے مخالف ہیں وہ ان اعمال کو بالکل غیر اسلامی خیال کرتے ہیں اور اس کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب ذکر و اشغال کے جواز میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"آخر تم مجھ سے پوچھو گے کہ آخر ذکر میں اس طرح کی ضربیں لگانے زور زور سے بولنے اور دائیں بائیں زانو اور قلب کی رعایت کرنے میں کیا حکمت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان طبعاً کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ فوراً ادھر ادھر متوجہ ہو جاتا ہے۔ ہر آواز پر کان لگا دیتا ہے۔ اس کے دل میں ہر وقت طرح طرح کے خیالات وچکر لگاتے رہتے ہیں لہذا مشائخ نے ذکر کا یہ طریقہ اس واسطے وضع کیا ہے کہ اس سے ذکر کرنے والے کی توجہ اپنے ماسوا اور کسی طرف نہ جائے اور باہر کے خیالات اس

باقی صـ۵۲ پر

از حضرت مولانا لطافت الرحمٰن صاحب سواتی
سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ

ریاست سوات
کے
"دینی علوم وفنون کی خدمت"

صوبہ سرحد کا یہ میدانی اور پہاڑی مخلوط سرسبز وشاداب حصہ ملک سوات جو ماضی بعید میں حقیقتاً سواد اسوات ہی تھا کیونکہ روئے زمین کا اکثر حصہ جنگلات اور بنوں سے سیاہ تھا۔ نیز لوگوں کی اکثریت کے اخلاق وعادات ورسوم رواجات تمدن ومعاشرہ جاہلانہ اور سیاہ تھے۔ اور کسی حد تک نوجوانوں اور کم سن لڑکوں کا لباس بھی سیاہ ہوتا تھا تاہم اس تمام سواد وسیاہی کے باوصف یہاں پہ ہر دور میں علوم وفنون کے درس وتدریس کا چرچا رہا ہے۔ ملک سوات اور اس کے متعلقات کی تاریخ کا یہ ایک زریں باب اور اس ملک کے باشندوں کا یہ ایک مایۂ نازفخر ہے۔ کہ اس ملک میں بادشاہ صاحب سوات کی باضابطہ حکمرانی اور بادشاہت سے پہلے بھی علوم عربیہ سے وابستگی رہی ہے۔ اور یہ لوگ ہر چند اپنے روایتی فتنوں اور خانہ جنگیوں میں سرگرم ومنہمک ہوتے تھے۔ مگر پھر بھی ان کے اندر دینی مذہبی تصلب مہمان نوازی بہادری وغیرہ اچھے اوصاف کے علاوہ علم دوستی علم پروری بھی تھی۔ اور یہاں جو علماء کے درس یا ترقی یافتہ عنوان سے درس گاہ وغیرہ ہوتی تھیں ان کے فیض یافتہ علماء فنی قواعد واصول کلیات وضوابط اور مختلف علوم وفنون کے متون کے حافظ ہوتے تھے یہ نہیں کہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے مطالعہ کر کے بتاتا ہو جیسا کہ آج کل کے نامور علماء۔ اور پروفیسر حضرات وقتی طور پر تحقیق ومطالعہ سے کام چلایا کرتے ہیں بغرض یہ کہ ان کے پاس استحصال ہی استحضار ہوتا تھا۔ اور پسماندگی کا اثر یہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ اپنی محدود استعداد کو وسعت دینے اسی طرح اپنے محفوظات سے ہٹ کر کسی اجتہادی ملکہ پیدا کرنے پر قادر نہ تھے۔ بلکہ اکثر وہی لکیر کے فقیر ہوتے تھے اور اگرچہ اس ملک میں اس وقت طباعت وصحافت کا سلسلہ یکسر مفقود تھا۔ بلکہ یہاں تک کہ خط لکھنا بڑی بات تھی۔ لیکن پھر بھی تصنیف وتالیف کی راہ میں اس وقت کے سوات کی چند علمی کتابیں سوات کی علمی تاریخ کا ایک زندہ وتابندہ حصہ ہے جس میں تحریر کندیا شرح سلم العلوم۔ تحریر سمبٹ شرح کافیہ۔ حاشیہ امانیہ۔ حاشیہ مطول۔ زبدۃ الحواشی مطول۔ مفتاح الشافیہ۔ اصلاح الرسوم وغیرہ کتابیں نہایت بلند مشہور اور اس ملک کا علمی سرمایہ ہے اور یوں تو سوات میں ماضی قریب وبعید کے درسوں کا شمار ان کی تفصیلات اور ان کے

چلانے والے فنی یا جامع چوٹی کے علماء اور مدرسین کی کوئی تاریخ یا دداشت موجود نہیں ہے تاہم میری طالب علمی کے زمانہ میں اور اس سے کچھ قبل یعنی ۱۹۰۰ء کے نصف اول میں جن علماء کے یہاں درس ہوتے تھے ان میں چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کندیا ملا صاحب کندیا
۲۔ ملا صاحب ۔ سمبٹ
۳۔ مولانا امان اللہ خان صاحب
۴۔ مولانا خان بہادر صاحب مارتونگ
۵۔ صاحب حق محمد نذیر صاحب
۶۔ مولانا صاحب گونگہ
۷۔ مولانا صاحب ایلی
۸۔ قاضی بابا صاحب قمبر
۹۔ مولانا عبدالرشید صاحب قمبر
۱۰۔ مولانا عبدالحلیم صاحب اوڈیگرام
۱۱۔ قاضی عرفان الدین صاحب بٹے خیلہ
۱۲۔ پیر صاحب طوطکان
۱۳۔ مولانا صاحب چونگئی
۱۴۔ مولانا صاحب منگلور
۱۵۔ نعمان قاضی صاحب بره بانڈی
۱۶۔ قاضی بابا دہلی
۱۷۔ بازیرہ مولوی صاحب سرسینئی
۱۸۔ شہزادہ پاچا صاحب شکردرہ
۱۹۔ قاضی عبدالکریم صاحب شیر پلم
۲۰۔ چکیسر بابا صاحب شیر پلم
۲۱۔ قاضی عبدالرحیم صاحب رونیال
۲۲۔ میاں صاحب برہ تھانہ
۲۳۔ قاضی صاحب رونگار
۲۴۔ قاضی صاحب دارمئی
۲۵۔ ملا دادا صاحب تیرات
۲۶۔ صاحب الحق صاحب فتح پور
۲۷۔ قاضی نور گل صاحب کورے
۲۸۔ مولانا صاحب شاپلین
۲۹۔ بازارہ مولوی صاحب چارباغ
۳۰۔ مولانا مفتاح الدین صاحب جورہ

<u>مولانا مفتاح الدین صاحب جورہ سوات</u> میں یہاں اسی فہرست کی آخری شخصیت اور علماء کاملین میں سے ایک نہایت عالم باعمل فاضل اکمل، مفسر و محدث، فقیہہ و متکلم جامع العلوم مولانا مفتاح الدین جورہ سوات کا مختصر حال اس روئیداد کا حصہ اس مناسبت سے بناتا ہوں کہ "دارالعلوم مٹہ سوات" کو مرحوم کی علمی برکات اور الباقیات الصالحات سے قریبی تعلق ہے۔ کیونکہ میں خود بحیثیت خادم و مہتمم دارالعلوم مٹہ سوات اور جناب مولانا عبدالرحمن صاحب صدر مدرسہ دارالعلوم مٹہ سوات اور مولانا بہرہ مند صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم مٹہ سوات، نیز اس دارالعلوم کے دیگر علماء حضرات مولانا صاحب جورہ کے فیوض علمیہ سے یا تو براہ راست فیض یاب ہیں یا بالواسطہ۔ بہرصورت مرحوم کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں:

نام مع ولدیت مفتاح الدین ولد فراش الدین

مقام ولادت۔ قلعہ گئی سنگھ تحصیل مٹہ ضلع سوات

سن ولادت ۱۳۰۲ھ

وفات وقت عصر روز جمعہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

باقی آپ کے علمی، دینی، اخلاقی سوانح و حالات اور بلند و پاکیزہ کارناموں کا استقصار دشوار بھی ہے اور علاقہ کی پسماندگی کے سبب کوئی کارنامہ قلم بند بھی نہیں ہے۔ تاہم میں بھی اس بحر ذخار اور علامہ روزگار کے وسیع خرمن علم کا خوشہ چین رہا ہوں اور انہیں کی راہ نمائی اور شوق و رغبت دلانے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے برادر بزرگ مولانا محمد قاضی خان صاحب فاضل دیوبند کو دیوبند جانا نصیب فرمایا ہے۔ اس وجہ سے چند موثق حالات لکھتا ہوں جو خود میرے مشاہدے یا علم میں آچکے ہیں۔

<u>دارالعلوم دیوبند اور مرحوم</u> | مرحوم سوات اور صوبہ سرحد کے درسوں میں مسلسل پندرہ سال کسب و تحصیل کرکے علوم متداولہ سے تقریباً فارغ ہی ہوئے تھے۔ مگر اعلیٰ تعلیم اور تکمیل علم کی خاطر اپنی عمر کے اکتیسویں سال میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا اعزاز علی اور مولانا رسول خان جیسے اکابر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اور یہاں سے فراغت و تکمیل کے بعد ایک سال بریلی (انڈیا) میں ایک سال صوبہ سرحد خانائی میں۔ چند سال قلعہ گی سوات میں۔ پانچ سال پیرکلی سوات میں علوم و فنون کا درس دیتے رہے۔ اور اپنی زندگی کا آخری علمی فروغ و وقار۔ جاہ و جلال اور شوکت و حشمت احیار سنت کا تابناک زمانہ اٹھارہ سال مسلسل جورہ سوات میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، بلاغت و بیان صرف نحو وغیرہ پڑھاتے رہے تاآنکہ بالآخر جورہ ہی میں وفات پا گئے۔ غفر اللہ وارضاہ وجعل فی جوارہ مثواہ و ماواہ۔

<u>مرحوم کا درس اور علمی عظمت</u> | آپ کے درس کی عظمت و وسعت کو بہت لوگوں نے دیکھا ہے۔ قیام قلعہ گئی کے دوران خود دونوں قلعہ گئی اور آس پاس کے تمام دیہات اور شانگواٹی میں طلبہ علم کی فوج رہائش پذیر ہوا کرتی تھی اور ازاں بعد جورہ میں قیام تو آپ کی علمی زندگی کا ہر لحاظ سے نہایت بلند دور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر پہلو سے وہ سامان فراہم کیا جس سے اس آفتاب رشد و ہدایت کو ضیا پاشیوں کا سازگار اور بہتر موقع میسر ہوا اور مرحوم کی محفل درس نے ایک عظیم الشان علمی درسگاہ کی صورت اختیار کی جس میں افغانستان۔ بلخ بخارا۔ ترکستان۔ باجوڑ دیر۔ کونڑ پشاور، مردان، سوات، کوہستان وغیرہ۔ دور دراز علاقوں کے طلبہ بلکہ علمار مدرسین تک آکر علم حاصل کرتے تھے اور اس سرچشمہ علوم سے فیض یافتہ علمار مختلف بلاد و اوطان میں پھیل کر سنتہ سنیہ علی صاحبہا الوف التحیہ کی ترویج کرتے رہے۔ آپ قیام جورہ کے اس دور میں دینی دنیوی ہر طرح سے جلال و عظمت وجاہت و استقامت اور علمی وقار کا نمونہ تھے۔ ایک طرف صبح سے شام تک حدیث، تفسیر، فقہ معانی وغیرہ کی بالائی کتابوں کا نہایت محققانہ اور

دل کش درس ہوتا تھا۔ جس میں با ذوق طالب علموں کو وجد آتا تھا اور علماء دین کے علمی اجتماعات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ دوسری طرف حکام و عوام جس ادب و احترام سے پیش آتے تھے وہ بھی موصوف کی استقامت فی الدین اور مقبولیت عند اللہ کا شاہد عدل تھا۔ حکمران سوات جناب بادشاہ صاحب مرحوم، جناب خان بہادر صاحب سلطانت خان۔ نیز اس وقت کے حکومت کا حزب اختلاف جناب دارمی خان صاحب اور ان کے تمام عظیم بیٹے اور ان کی پارٹی کی سب خوانین مرحوم کے نہایت قدردان تھے۔ حالاں کہ ان کی رہائش جورہ میں تھی جو حکومتی فریق کا گڑھ اور خان بہادر سلطانت خان کا مقام تھا گویا اس ملک کے معززین، خوانین بلکہ عام باشندے تک اس نظریہ پر عمل پیرا ہیں۔ کہ ملکی باہمی سیاست و اختلاف اپنی جگہ ہو اور دینی شعائر اور مذہبی علماء کی تعظیم منبر و محراب کی طرح ثالثانہ اور تمام پارٹیوں کے لئے عقیدت مندانہ ہو۔ اور جس طرح قوم و ملک کے سرکردہ خوانین اور حکومت وقت کا لوگوں پر اقتدار تھا۔ اس سے زیادہ اس دور میں علماء سب کے لئے قابل احترام اور لائق تعظیم و تکریم تھے۔ وحق ما قیل ؎

ان الملوک یحکمون علی الوریٰ　　و علی الملوک یحکم العلماء

ملکی رسوم اور مرحوم | یوں تو مرحوم کا جذبہ احیاء سنت اور رسوم بدعات کی بیخ کنی ایک واضح حقیقت ہے جس کے بارے میں مرحوم نے کتاب "اصلاح الرسوم" بھی تحریر فرمائی ہے۔ مگر اس سلسلہ میں صرف اپنے ساتھ ایک پیش آمدہ واقعے کو قلم بند کرتا ہوں جس سے اوپر کے عنوان پر نہایت زبردست روشنی پڑتی ہے وہ اس طرح ہوا کہ ۱۳۵۴ھ میں جب میں تعطیلات کے دوران دیوبند سے گھر (رونیال) آیا تھا۔ تو ایک جمعہ کے روز حضرت استاذ مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اور اگرچہ نماز جمعہ کے لئے میرا پروگرام رونیال کو واپس ہونے کا تھا لیکن استاذ مرحوم کے ارشاد پر جورہ ہی میں نماز جمعہ کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ تیاری جمعہ اور سنتوں کے پڑھنے کے دوران میرے پاس مرحوم کی جانب سے پیغام آیا کہ نماز جمعہ تمہیں پڑھانی ہے مجھے اگرچہ جمعہ پڑھانے میں کسی عذر و تامل کی وجہ تو نہ تھی مگر جورہ کی حیثیت اس دور میں مملکت سوات دارالخلافت نمبر ۲ کی تھی جس کے تحت خان بہادر صاحب مرحوم کے پاس سوات کے مختلف علاقوں کے بے شمار خوانین، حکام اور عوام کے وفود اور جرگہ جات کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ اور ان سب لوگوں کو خان بہادر صاحب کے ہمراہ نماز جمعہ میں شریک ہونا تھا۔ اور اس طرح نماز جمعہ میں مقامی اور قریبی شرکاء کے علاوہ ان لوگوں کی بھی شرکت تھی جو مذہب کے نام سے رائج الوقت رسوم و بدعات پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ ادھر میری جوانی کا وقت تھا اتفاق سے میرے سر پر رومی سرخ ٹوپی تھی جس کا گچھا پیچھے لٹک رہا تھا جب کہ اس وقت اسی طرح کی ٹوپی نوجوان طالب علموں کے لئے سر پر رکھنا خود دیوبند میں بھی معیوب نہ تھا۔ چنانچہ میں نے صرف اس ٹوپی کے زیر نظر پیغام لانے والے جناب تنکورے ملا صاحب مرحوم کے ذریعے استاذ مرحوم کو کہلا بھیجا کہ میرے سر پر جو ٹوپی ہے اس کو ہٹا کر رومال یا عمامہ باندھ لوں یا اس ٹوپی ہی میں خطبہ دوں اور نماز بھی پڑھا دوں۔ اس پر مرحوم کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اس ٹوپی ہی میں تم

سے جمعہ پڑھوا کر اس عظیم مجمع کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ امام کے لئے عمامہ یا رومال باندھنا کوئی ضروری اور لازمی امر نہیں ہے۔

مرحوم اور ذکر دیوبند | اس اصول کے تحت "من احب شیئاً اکثر ذکرہ" مرحوم دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے اکابر حضرت انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر سے تو شاید ہی مرحوم کا کوئی درس یا علمی مجلس خالی ہو جس وقت ہم تین ساتھی میں اور قاضی احمد صاحب شونٹڈرہ، مولانا عبدالحق صاحب شر پلم موجودہ صدر محکمہ قضا مٹہ مرحوم سے شرح وقایہ پڑھتے تھے۔ اور مولانا عبدالحئی کے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ سے بہت متاثر تھے۔ اور اس میں حضرت شاہ صاحب کا ذکر خیر بھی آیا تو میں نے طالب علمانہ جسارت کرکے پوچھا کہ حضرت شاہ صاحب بڑے عالم تھے یا مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی۔ مرحوم نے جواب میں فرمایا کہ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم بہترین ناقل اور عالم و فاضل تھے۔ مگر شاہ صاحب تو تمام علوم میں ملکہ اجتہاد کے عامل تھے۔ اب اس جواب باصواب کا لطف تو اصحاب علم ہی اٹھا سکتے ہیں ؎

یہ سر قصہ بلقیس و قصہ ہدہد کسے رسد کہ شناسائے منطق الطیر است

بہرکیف مرحوم کی جانب سے دارالعلوم دیوبند سے والہانہ وابستگی اور ذکر و تذکار مجھ جیسے ناکارہ نالائق سیہ رو اور خطا کار کے لئے دیوبند جانے کا ایک سبب بنا اور اگرچہ اس مقدس مقام کی برکات و فیوض سے میرا بے بہرہ آنا ہی تھا کیونکہ ؎

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

تاہم حدیث کا یہ فقرہ کہ "لا یشقی جلیسہم" اپنی جگہ ایک عظیم حقیقت ہے کیونکہ ع

مے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

یعنی وہی علمی اور دینی جذبۂ علوم اور احیاء سنت کا موروثی ولولہ تھا۔ اور اپنے اکابر دیوبند سے وہی روحانی لگاؤ اور رابطہ تھا۔ جس نے اس ہیچمدان نابکار مولوی رونیال "لطافت الرحمان" کو دارالعلوم مٹہ سوات کے قیام کا داعی اور محرک بنایا۔ اور اس نے مورخہ ۱۹ رجون ۱۹۷۵ء کو اپنے گاؤں رونیال میں علاقہ تحصیل مٹہ کے تقریباً تمام علماء کرام کا اجلاس بلایا جس میں کم و بیش پچاس علماء نے شرکت فرمائی اور چار چھ گھنٹے کے اجلاس میں متفقہ طور پر یہ تجویز پاس کی گئی کہ مقام مٹہ میں "دارالعلوم مٹہ سوات" کے نام سے توکل علی اللہ کرکے مدرسہ قائم کیا جائے۔

پہلا سفینہ
ایم وی مکران

۱۹ تجارتی جہازوں میں پہلا جہاز۔
اور اب تک سب سے بڑا ـــــــ
ایم وی مکران ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو کوپن ہیگن ڈنمارک میں
پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن کے حوالے کر دیا گیا ہے۔
بقیہ ۱۸ جہاز آئندہ دو سال کے دوران حاصل کئے جائیں گے۔
اس طرح پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن
ہموطنوں کو جدید ترین تجارتی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن

Paragon ● 80 PNSC

انتخاب ۔ حافظ محمد ابراہیم فانی ۔ مدرس دارالعلوم حقانیہ

حاصل مطالعہ

امر و مشورہ سب جانتے ہیں کہ ایک تو امر اور حکم ہوتا ہے۔ اور ایک صلاح و مشورہ ۔ سو امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خواہ کسی چیز کے متعلق ہو ہم بے شک اس کے مامور ہیں۔ اور مشورہ آپ کا ہو یا کسی اور کا۔ ہم اس کے مامور ہرگز نہیں ۔ اور یہ امر دیگر ہے کہ بمقتضائے حسن ادب ہو بوجہ کمال عقل و مقبولیت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہونا چاہئے ان کا مشورہ اتباع بھی مستحب اور ان کا مشورہ بھی اوروں کے مشورہ سے مقدم ہے ۔ مگر یہ استحباب خارجی اور عرضی ہے ۔ اس اتباع کی نسبت امر شرعی ہم کو نہیں ہوا۔ جو اس کو امر شرعی کہا جائے۔ ادھر یہ بات ہے کہ مشورہ مذکور کی گنجائش ہے ۔ تو منافع و مضار دنیوی میں ہے ۔ دربارۂ منافع و مضار اخروی انبیاء کو مشیر سمجھنا نبوت کا مدعی بننا یا انبیاء کو عوام میں داخل کرنا ہے ۔

اور یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ تحصیل منافع دنیا کے بعض طرق فلاح آخرت کے معارض ہوتے ہیں اور بعض موافق اور بعض نہ معارض نہ موافق ۔ پہلے دو طریقوں میں حکم نبوی اور امر شرعی کا اتباع کرنا پڑے گا۔ البتہ تیسرا طریقہ جو فلاح آخرت کے نہ مخالف ہے نہ موافق ۔ صرف اس میں ہم کو توسیع اور اختیار ہے ۔ کہ اس کے ذریعہ سے ہم منفعت دنیوی حاصل کر سکتے ہیں ۔ اس میں فقط یہ ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ کسی منہج سے فلاح آخرت کے معارض نہ ہو جائے ۔ باقی جس طرح چاہیں ۔ طریقہ مذکورہ سے منفعت حاصل کریں ۔ چنانچہ بیوع و اجارات فاسدہ وغیرہ کی ممانعت اسی طرح پر مبنی ہے ۔

(مقالات حضرت شیخ الہندؒ ص ۵۹)

قبل از بعثت قدسی جزیرہ عرب کے ایک سمت خلیج فارس تھا جس کے کنارے ایران و فارس کی مملکتیں تھیں ۔ جہاں ایرانیوں کی جہانبانی قائم تھی ۔ اکاسرہ فارس سربرآرا تھے ۔ وہاں شرک و کفر کی تاویل و توجیہہ سے نہیں بلکہ کھلے بندوں دو خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بجایا جا رہا تھا ۔ ان کے نزدیک جہانوں کے نظام کے لئے ایک خدا کافی نہ تھا ۔ بلکہ برابر کے دو خدا اہرمن اور یزدان خدائی کر رہے تھے ۔

عرب کی دوسری سمت بحیرہ روم تھا جس کے کنارے مغربی دولتوں کے پرچم لہرا رہے تھے ۔ قیصر کی بادشاہی کا سکہ رواں تھا ۔ یہاں عیسائیت نے مذہب کے نام سے تین خداؤں کی پوجا کا اعلان کیا ہوا تھا ۔ یہ فارس کی نسبت

بندگی کے معاملہ میں ترقی یافتہ تھے۔ جنہوں نے دو خداؤں پر قناعت کافی نہ سمجھتے ہوئے ان میں ایک کا اضافہ اور ضروری سمجھا۔ ایک خدا ایک اکلوتا بیٹا اور ایک اس کی بیوی یا بعض کے نزدیک روح القدس یہاں خدائی کے تصرفات ان تین کے سپرد تھے۔

تیسری سمت بحرِ ہند تھا جس کے کنارے ہندوستان کا برّ عظیم اور دوسرے مشرقی ممالک واقع ہیں۔ یہ سرزمین پوجا کے سلسلے میں ان دونوں سمتوں سے بھی زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ جسے تین خداؤں پر بھی قناعت نہ تھی۔ بلکہ ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچا دی گئی تھی۔ یہ ملک بت پرستی کا مخزن بنا ہوا تھا۔ بت کے مفہوم میں صرف مورتی ہی شامل نہ تھی۔ بلکہ پہاڑوں کے پتھر۔ دریاؤں کا پانی۔ درختوں کی شاخیں۔ جانوروں کے سر۔ انسانی اعضا اور صنعت وحرفت کے آلات حتیٰ کہ کھانے پینے کی چیزیں۔ سب کے سب معبود اور لائق پرستش تھے۔ اور معبودوں کی تعداد عابدوں سے بدرجہا زائد تھی۔ اس دور کی اس عام گمراہی کو خود ہندو زعما بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت دیانند سرسوتی نے تحریر فرمایا ہے کہ ویدوں کا علم پانچ ہزار برس سے گم ہو چکا تھا۔ جسے انہوں نے زندہ کیا۔ اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کی بعثت سے قبل چند صدی کا دور جو زمانہ جاہلیت کہلاتا ہے اس پانچ ہزار سال کے اندر ہی اندر ہے۔ اس لئے آپ کی بعثت سے قبل خود ہندوستانی زعما کے خیال میں بھی ہندوستان کی یہ عام گمراہی کا دور تھا۔

عرب کی چوتھی جانب سمندر کی موجوں سے پٹی ہوئی اور خشکی سے ملی ہوئی تھی جن میں مصر و سوڈان اور افریقہ کی آبادیاں تھیں۔ انہوں نے اس بارہ میں پچھلی تین سمتوں سے بھی زیادہ پیش قدمی کی تھی۔ وہاں نہ ثنویہ تھی نہ تثلیث نہ تکثیر۔ وہاں نہ چند خداؤں کا جھگڑا تھا نہ نفس خدائی کا۔ بلکہ سرے سے ہی اس راہ سے الگ ہو کر ان کے یہاں فسق وفجور بدعملی وسیہ کاری اور شہواتِ نفس کی مسموم آندھیاں چل رہی تھیں۔ گویا ہر شخص خدا بنا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنی خواہشات وشہوات میں آزاد تھا۔ جس کو قرآن حکیم نے فرمایا۔

سَاُورِیْکُمْ دَارَالْفَاسِقِیْنَ ۝ آفتابِ نبوت صہ ۶۷، ۶۸ قاری محمد طیب مدظلہ

<u>بیعت کے برکات</u> | اگرچہ بیعت بادل ناخواستہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے آثار مبارکہ میں نے اپنے اندر اسی دن سے محسوس کئے اس سے پہلے کبھی کبھی نماز چھوٹ جاتی تھی۔ مگر اس روز سے برابر مداومت ہو گئی۔ قضا نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی عذر سے بلا اختیار فوت بھی ہو گئی۔ جو کہ شاذ ونادر ہوتی۔ تو قضا کر لی گئی (جو نمازیں بیعت سے پہلے کبھی کبھی فوت ہوئی تھیں۔ ان کو بھی ایام اسارات احمد آباد میں تخمینہ کر کے ادا کرنے کی توفیق ہوئی۔ بیعت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک میدان ہے اور اس کے بیچ میں ایک قبر ہے۔ جو کہ حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ خواب میں میں ایک قبر کو دونوں بزرگوں کی قبر سمجھ رہا ہوں۔ میں اس قبر کی طرف جا رہا ہوں اور بالکل قریب پہنچ گیا ہوں میں نے اس خواب کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے پاس لکھ کر بھیجا۔ وطن پہنچتے ہی الہ آباد کو جو کہ اس زمانہ میں یوپی کے حجاج کے

لئے قرنطینہ کا مقام کیا گیا تھا۔ روانگی ہوئی۔ وہاں تقریباً پندرہ بیس دن قیام کرنا پڑا۔ یہ جگہ شہر کے باہر پراگ کے قریب خصوصی انتظام کے ساتھ حجاج کے لئے علیحدہ بنائی گئی تھی۔ وہی جواب منگایا۔

حضرت اس وقت گنگوہ شریف میں بارادہ قیام رمضان شریف مقیم تھے۔ حضرۃ شیخ الہندؒ نے اس خواب کو حضرت قطب عالم گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا۔ تو تعبیر میں فرمایا کہ لکھ دو کہ منزل مقصود پہنچے گا ——————

حج کے لئے پیدل سفر (شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ نقش حیات ص۵۹) موانع اور دشواریوں کے باوجود مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کا پیدل سفر انتہائی مسرت کا باعث ہوا۔ حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی و رضا کے حصول کے لئے ظاہر کے خلاف اپنی جانوں پر تکالیف برداشت کرکے دین کی حیات و سرسبزی کے لئے ٹھوکریں کھانے پر رحمتہائے خداوندیہ جوش میں آتی ہیں۔ اور ہر طرح کی نصرت کے دروازے کھل جایا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کے اس سفر کو اس درجہ میں قرار دے کہ ہر طرح کی نصرت کو اپنے فضل سے متوجہ فرما کر دین کی طرف رجوع کی پورے عالم میں صورت پیدا فرمادیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر آپ کے اعمال کو سرسبز فرمادیں۔ اور عام انسانوں کے لئے ہدایت کے دروازے کھول دے۔

مکتوب مولانا محمد یوسفؒ از سوانح مولانا محمد یوسف ص۵۵۹

خلیفہ کا ہاشمی نہ ہونا | اور خلیفہ کا ہاشمی ہونا دو وجہ سے شرط نہیں کیا گیا ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع نہ ہو۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ نبی کو اپنے گھرانے کی بادشاہت مقصود ہے۔ جس طرح کہ اور بادشاہوں کو ہوتی ہے۔ اور یہ بات ان کے ارتداد کا سبب بن جائے۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو خانہ کعبہ کی کنجی عطا نہیں فرمائی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ سے لوگوں کا راضی ہونا اور اس پر ان کا متفق ہونا اور خلیفہ کے ساتھ ان کا توقیر کے ساتھ پیش آنا اور خلیفہ کا حدود قائم کرنا اور ملت کے لئے قتال کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے۔ اور ان سب امور کا جمع ہونا کسی شخص میں ہوتا ہے اور اس بات کے شرط کرنے میں کہ خلیفہ خاص قبیلہ کا ہو لوگوں کے لئے باعث دقّت اور حرج ہے۔ کیونکہ بسا اوقات اس قبیلہ میں ایسا شخص نہیں ہوتا جس کے اندر یہ تمام شرائط مجتمع ہوں۔ بلکہ دوسرے قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے فقہا نے کہا ہے کہ مسلم فیہ کا چھوٹی بستی سے ہونے کو شرط ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اس کا بڑی بستی سے ہونا جائز قرار دیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ۔ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ہمت مردان مدد خدا | اٹھارہویں صدی کے اواخر میں جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا۔ تو مراد بک نے جامع ازہر کے علماء کو جمع کرکے ان سے مشورہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ علماء ازہر نے بالاتفاق یہ رائے دی تھی کہ جامع ازہر میں صحیح بخاری کا ختم شروع کر دینا چاہئے۔ کہ انجام مقاصد کے لئے تیر بہدف ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن ابھی صحیح بخاری

کا ختم ختم نہیں ہوا تھا۔ کہ اہرام کی لڑائی نے مصری حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی نے اس عہد کے چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں۔ اور بڑے ہی عبرت انگیز ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تھا تو امیر بخارا نے حکم دیا کہ تمام مدرسوں اور مسجدوں میں ختم خواجگان پڑھا جائے۔ ادھر روسیوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں۔ ادھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے یا مقلب یا محول الاحوال کے نعرے بلند کر رہے تھے بالآخر وہی نتیجہ نکلا جو ایک ایسے مقابلے کا نکلنا تھا جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو اور دوسری طرف ختم خواجگان۔

"دعائیں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں مگر انہی کو پہنچاتی ہیں جو عزم و ہمت رکھتے ہیں بے ہمتوں کے لئے تو وہ ترک عمل اور تعطل قویٰ کا حیلہ بن جاتی ہیں"

مولانا ابوالکلام آزاد۔ غبار خاطر صہ ۱۷۱

محال و مستبعد نظیر و دلیل | محال عقلی ہونا اور چیز ہے اور مستبعد ہونا اور چیز ہے۔ محال خلاف عقل ہوتا ہے اور مستبعد خلاف عادت۔ عقل اور عادت کے احکام جدا جدا ہیں۔ دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے۔ محال کبھی واقع نہیں ہو سکتا۔ مستبعد واقع ہو سکتا ہے۔ محال کو خلاف عقل کہیں گے۔ اور مستبعد کو غیر مدرک بالعقل ان دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے۔

نظیر اور دلیل جس کو آج کل ثبوت کہتے ہیں۔ ایک نہیں اور مدعی سے دلیل کا مطالبہ جائز ہے۔ مگر نظیر کا مطالبہ جائز نہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ الانتباہات المفیدہ صہ ۱۴

سیاست فاروقی | یہ عموماً مسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب میں قابل آدمیوں اور ان کے مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی۔ اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دئے تھے۔ امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ۔ زیاد بن سمیہ۔ چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں (اور در حقیقت ان لوگوں کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی خدمات کے لئے عیاض بن غنم۔ سعد وقاص۔ خالد۔ نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمر معدیکرب اور طلیحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن ارقم انشا و تحریر میں مستثنیٰ تھے۔ ان کو میر منشی مقرر کیا۔ وہ گویا اسی لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے بھی مورخوں نے بھی لکھا ہے۔ شبلی نعمانیؒ الفاروق حصہ دوم صہ ۱۲۷

لذت خلوت | سوچتا ہوں۔ تو زندگی کی بہت سی باتوں کی طرح اس معاملے میں بھی ساری دنیا سے الٹی ہی چال میرے حصے میں آئی۔ دنیا کے لئے سونے کا جو وقت سب سے بہتر ہوا وہی میرے لئے بیداری کی اصل پونجی ہوئی۔

لوگ ان گھڑیوں کو اس لئے عزیز رکھتے ہیں کہ میٹھی نیند کے مزے لیں میں اس لئے عزیز رکھتا ہوں کہ بیداری کی تلخ کامیوں سے لذت یاب ہوتا رہوں ے

خلق را بیدار باید بود زآب چشم من وین عجب کاں دم کہ مے گریم کسے بیدار نیست

یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ اور عالم تنہائی کی خلوت اندوزیوں کا پورا پورا لطف اٹھا رہا ہوں۔ گویا ساری دنیا میں اس وقت میرے سوا کوئی نہیں بستا۔ کہہ نہیں سکتا۔ تنہائی کا یہ احساس یہ میری طبع خلوت پرست کی جولانیوں کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا کرتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ۔ غبار خاطر صہ ۲۷۷

اسلام۔ پیغام انسانیت | حقیقت یہ ہے کہ یونان کے مفکرین۔ روما کے فلسفی مصرین۔ احبار و قسیسین اپنی سخت کوششوں سے تمدن عالم سے جس لعنت کو ختم نہ کر سکے۔ بعہد حضرت مسیحؑ اور تاریخ قبل مسیح اس پر گواہ ہے۔ اوران کے احتجاجات کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس اسلام نے انسانیت کے اس رستے ہوتے ناسور کو بند کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ تعجب خیز بھی ہے۔ اور اصلاح تمدن کا ایک عظیم کارنامہ بھی۔

اپنی تہذیب و شائستگی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اور اپنی سماجی برتری کا دعوٰی کرنے والی قومیں اپنے متمدن معاشرہ سے، انگلیوں ہی پر شمار ہونے والے چند ایسے نفوس کا پتہ دے دیں جن کو حضرت بلالؓ۔ حضرت صہیب بن سنانؓ حضرت سلیمان فارسی۔ حضرت زید بن حارثہ۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسا شرف و اعزاز ان کی قوم نے دیا ہو۔ کہ ان کے آگے ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اپنی آنکھیں بچھاتے تھے جن کی قیادت میں لشکر جا رہا ہو۔ اور قائد عسکر اسپ سوار ہو۔ اور خلیفۂ وقت پا پیادہ۔ کیا وہ ایسا کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ کیا وہ زید بن حارثہؓ جیسا قائد لشکر پیش کر سکتے ہیں؟ شمس بریلوی۔ تعارف بر غلامان اسلام صہ

ہمارا پیغام | ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہمارا کام ہو گیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا۔ آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں۔ آج انسان عنقا ہے۔ ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ۔ انسانیت کو نکھارو۔ آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ آپ انسانیت کے پھل پیدا کیجیے۔ ہم اس بگڑتی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ کاش یہ چبھن پیدا ہو۔ یہ پیغمبروں کا کام اور ان کا پیغام ہے۔ ہم اسے یاد دلانے آئے ہیں۔ کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے۔ کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے۔ آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے انہی کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور قلوب کو اطمینان ملا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ تعمیر انسانیت۔ صہ ۷